

سلسلہ رسائل مجددی

اثبات النبوة

حضرت محمدؐ الثاني

مكتبة دار الفکر - بيروت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

امام رباني حضرت محمد وآلہٖ الطیبین علیہم السلام



اشارة النبوة



زوار الیٹمی پبلیکیشنز

سلسلہ , سائل و جواب : ۱

اثبات النبوة

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

ترجمہ

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں رحمہ اللہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب:	اثبات النبوة
مؤلف:	امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ
ترجمہ:	حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان رحمہ اللہ
اشاعت جدید:	اکتوبر ۲۰۱۱ء
تعداد:	ایک ہزار
صفحات:	۸۸
قیمت:	۸۰ روپے

اہتمام

ادارہ مجددیہ

ناشر

زَوَاكِرُ كَامِلِيَّةِ سِبْطِ كَيْسِيَّةِ

اے۔ ۱۷/۳، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی

پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰ فون: ۰۲۱-۳۶۶۸۴۷۹۰

www.rahet.org

E-mail: info@rahet.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

اللہ پاک کالا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ حضرت امام ربانی مجتہد دالف ثانی قدس سرہ کے نایاب رسالے اثبات النبوة کو پہلی بار شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ اکبر ۹۹۳ھ سے ۱۰۰۷ھ تک لاہور میں رہا اور اس سے پہلے وہ آگرہ میں تھا۔ حضرت مجتہد دالف ثانی قدس سرہ (۹۷۱ھ-۱۰۳۳ھ) قریب ۲۲،۲۰ سال کی عمر میں آگرہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں فیضی اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام لکھ رہا تھا، جس کے لئے حضرت علیہ الرحمہ نے برجستہ ایک بے نقط عبارت مرحمت فرمائی تھی۔ (۱) وہ تفسیر نظر ثانی کے بعد ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ (۲) ابوالفضل اور فیضی بلکہ ان کے باپ ملاً مبارک ناگوری کی وجہ سے دین اور پھر ”نبوت“ پر اعتراضات ۹۸۷ھ میں شروع ہو چکے تھے اور ”بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی“ (۳) ان ہی ایام میں ابوالفضل نے حضرت مجتہد دالف ثانی علیہ الرحمہ کی موجودگی میں حضرت امام غزالی

۱۔ مولانا ہاشم کشمی۔ زبدۃ المقامات۔ لکھنؤ ۱۳۰۷ھ: ص ۱۳۳

۲۔ ملا عبد القادر بدایونی۔ منتخب التواریخ۔ ۲۔ لکھنؤ ۱۸۸۹ء۔ ص ۳۸۹۔ آئندہ بھی اسی ایڈیشن کے حوالے دیئے جائیں گے۔

۳۔ بدایونی ۳۲۵

رحمۃ اللہ علیہ کو نامعقول کہا تھا اور آپ بے تاب ہو گئے تھے۔ (۴) علمائے حق کا انخلا یا قتل ۹۹۰ھ سے شروع کر دیا گیا تھا (۵) ان ہی ”فتن ہائے امت“ (۹۸۷ھ) کا ذکر اس رسالہ اثبات النبوة میں بھی ہے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۹۹۰ھ کے قریب لکھا گیا ہوگا۔ (۶)

اب ذرا ان فتنوں کا جائزہ بھی لیجئے تاکہ حضرت مجدد دینیۃ الرحمہ کی دینی خدمات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ بدایونی نے اپنی تاریخ میں ۱۰۰۴ھ تک کے حالات لکھے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اکبر ”طالب حق“ تھا لیکن غلط قسم کے علماء اور صوفیہ سے واسطہ رہا۔ اس لئے اسے اسلام سے ضد پیدا ہو گئی تھی (۷)۔ گجرات کے صدر ابراہیم نے بادشاہ کو جو تحائف بھیجے تھے ان میں ابن العربی علیہ الرحمہ سے منسوب ایک جعلی عبارت بھی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ”صاحب زماں“ کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ ڈاڑھی منڈا ہوگا۔ (۸) کوئی خواجہ شیرازی تھے جو مکہ معظمہ سے ایک جعلی رسالہ ”مہدی“ کے ظہور سے متعلق لائے تھے، اور ایک شیعہ عالم شریف آملی نے ”تحیث دین حق“ کے اعداد (۹۹۰ھ) سے اسی پیشین گوئی کی تصریح کی تھی (۹)۔ ملا مبارک ناگوری (پدر فیضی و ابو الفضل) اس سے پہلے ہی ایک محضر نامہ ۹۸۷ھ میں تیار کر چکے تھے جس میں اکبر کو درجہ اجتہاد پر فائز کیا تھا اور فیضی نے فارسی اشعار میں خطبہ جمعہ تیار کیا تھا۔ (۱۰) اور اکبر کو ”خلیفۃ الزماں“ قرار دیا تھا۔ نماز، روزہ اور شعائر اسلام کو ”تقلیدات“ یعنی ”عقل“ کے خلاف سمجھا گیا (۱۱) اور اس ”عقل“ نے وہ جوہر دکھائے کہ ابو الفضل کی نگرانی میں محل کے اندر عبادت کے لئے ایک آتش خانہ تیار ہوا۔ (۱۲) نصاریٰ کی طرح ناقوس، صورت ثلیث اور ان کی تفسیر تکسین اکبر کا

۳۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۳۱

۵۔ بدایونی: ص ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۶۱

۶۔ اسی عمر میں ردّ و انقض و غیرہ رسائل بھی آپ لکھ چکے تھے۔ ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات: ص ۱۳۱

۷۔ بدایونی: ص ۳۱۸

۸۔ بدایونی: ص ۳۳۰

۹۔ بدایونی: ص ۳۳۳

۱۰۔ بدایونی: ص ۳۲۵

۱۱۔ بدایونی: ص ۲۹۷

۱۲۔ بدایونی: ص ۳۲۱

وظیفہ تھیں۔ (۱۳) راجاؤں کی لڑکیوں کو تصرف میں لانے کی وجہ سے خود اس کے مزاج پر اُن کو تصرف حاصل تھا۔ (۱۴) چنانچہ برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کی جاتی۔ (۱۵) سورج کی عبادت دن میں چار مرتبہ کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالانچی جاتی، تشقہ لگایا جاتا۔ آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے اور اس کے گوبر کی پوجا خود بادشاہ کرتا۔ (۱۶) خنزیر کو (معاذ اللہ) خدا کے حلول کا مظہر جانتا۔ (۱۷) گائے کا گوشت حرام اور خنزیر اور شیر کا گوشت مباح قرار دیا۔ (۱۸) سود، شراب اور بوجا حلال سمجھا گیا۔ (۱۹) اور شراب فروشوں کی نسل سے ایک عورت کے زیرِ اہتمام سے ایک سرکاری شراب خانہ کھولا گیا۔ (۲۰) ڈاڑھی کی دُرگت بنائی گئی، اور درباریوں نے بڑے اہتمام سے ڈاڑھیاں منڈائیں۔ (۲۱) غسل جنابت فضول سمجھا گیا۔ (۲۲)۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ناجائز قرار دیا گیا۔ (۲۳)۔ جوان عورتوں کو منہ کھول کر چلنے کا حکم دیا گیا اور بدکاری کے اڈے قائم کئے گئے۔ (۲۴) ختنہ کرانے کی عمر بارہ سال کے بعد رکھی گئی۔ (۲۵) مُردے کو پانی میں ڈالنے یا جلانے یا درخت سے باندھ دینے کا حکم جاری ہوا۔ (۲۶) نیز قبلے کی جانب مردے

۱۳۔ بدایونی: ص ۳۲۱

۱۴۔ بدایونی: ص ۳۲۲

۱۵۔ بدایونی: ص ۳۱۹

۱۶۔ بدایونی: ص ۳۵۳

۱۷۔ بدایونی ص ۳۴۳

۱۸۔ بدایونی: ص ۳۴۲، ۳۴۳

۱۹۔ بدایونی: ص ۳۴۰

۲۰۔ بدایونی: ص ۳۴۲

۲۱۔ بدایونی: ص ۳۸۲، ۳۴۲

۲۲۔ بدایونی: ص ۳۴۳

۲۳۔ بدایونی: ص ۳۴۳

۲۴۔ بدایونی: ص ۳۴۱

۲۵۔ بدایونی: ص ۳۸۰

۲۶۔ بدایونی: ص ۳۸۸

کے پاؤں رکھے جانے کا حکم ہوا اور بادشاہ بھی قبیلے کی طرف پناہ لے کر کے سوتا تھا۔ (۲۷) خود کو سجدہ کراتا تھا۔ (۲۸) اسلام کی ضد پر خنزیر اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ کیا تھا اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور زیارت کے لئے رکھے گئے کہ ان کا دیکھنا بھی عبادت تھا۔ (۲۹) جو قصاب کسی شخص کے ساتھ کھانا کھاتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا اور اگر اس کی بیوی ساتھ کھاتی تو اس کی انگلیاں بھی تراش کی جاتیں۔ (۳۰) تناخ پر یقین کیا گیا۔ (۳۱) عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا، اور طلاق یا ابریشی کپڑے پہننا فرض عین قرار دیا گیا۔ (۳۲) ابو الفضل کے سامنے اگر ائمہ مجتہدین کا قول پیش کیا جاتا تو وہ کہتا کہ تم فلاں حلوائی، فلاں کنفش دوز اور فلاں چرم ساز کا قول پیش کرتے ہو؟ (۳۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فدک یا صفین کے قضیے کے متعلق بات ہوتی تو ایسے سخت الفاظ کہے جاتے کہ بقول بدایونی ”گوش از استماع آں کر ما د“۔ (۳۴) قرآن کو مخلوق، وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط کہا گیا۔ (۳۵) احمد، محمد، مصطفیٰ جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے۔ (۳۶) ہندو تو ہندو ہی تھے، ہندو مزاج مسلمان بھی حضور انور ﷺ کی نبوت کے منکر ہو گئے اور عیسائی ملعونوں نے دجال کی صفات کو ہمارے آقا ﷺ پر ڈھالنا شروع کر دیا لیکن اکبر کی پیشانی پر بل بھی نہیں پڑا۔ (۳۷) شاید تاریخ اسلام کا یہ سب سے بڑا سانحہ ہے۔ پھر ابو الفضل کا ایک بھائی جو اس کا شاگرد تھا عبادت اسلامی کے خلاف رسائل لکھ کر بہت مقبول و ممتنع ہوا۔ (۳۸) بعض

۲۷۔ بدایونی: ص ۳۷۰

۲۸۔ بدایونی: ص ۳۲۰

۲۹۔ بدایونی: ص ۳۲۳

۳۰۔ بدایونی: ص ۳۸۰

۳۱۔ بدایونی: ص ۳۲۰

۳۲۔ بدایونی: ص ۳۲۳

۳۳۔ بدایونی: ص ۲۹۲

۳۴۔ بدایونی: ص ۳۳۵

۳۵۔ بدایونی: ص ۳۳۹

۳۶۔ بدایونی: ص ۳۳۸

۳۷۔ بدایونی: ص ۳۲۱

۳۸۔ بدایونی: ص ۳۳۳

شاعروں کی طرح فیضی بھی کتوں کی زبان اپنے منہ میں لیتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا۔ (۳۹) ضرور، تکبر اس کے مزاج میں اتنا تھا کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) پر طعن اور دین کی اہانت کرتا تھا۔ عین مستی اور جنابت کی حالت میں تفسیر سواطع الالہام لکھتا تھا، چنانچہ نزاع کے وقت کتے کی طرح بھونکتا تھا۔ (۴۰) ان خیانتوں کی وجہ سے ۶۰۵ سال میں اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ (۴۱)

ایسے حالات میں بھی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے خان خانان، صدر جہاں، خان اعظم خان جہاں، مہابت خان، تربیت خان، اسلام خان، دریا خان، سکندر خان، مرتضیٰ خان جیسے امرا کو اپنے حلقہ ارادت و عقیدت میں داخل کر کے بادشاہ کی توجہ دین کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ بالآخر جہانگیر نہ صرف معتقد ہوا بلکہ اپنے بیٹے خرم (شاہ جہاں) کو حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت کرایا۔ سجدہ تعظیمی موقوف ہوا۔ گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا۔ جو مسجدیں منہدم کرادی گئی تھیں وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں اور جس قدر خلاف شرع، قوانین رائج تھے وہ سب منسوخ ہوئے فن مصوری جو عہد جہانگیری میں بام عروج کو پہنچا ہوا تھا وہ فن تعمیر اور فن خطاطی کی طرف منتقل ہوا۔ شاہ جہاں کے علاوہ اورنگ زیب بھی حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان کی تربیت سے مستفید ہوا اور اس کے عہد میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوئی۔ دربار میں علما اور فضلا کو جگہ ملی۔ پھر حضرت علیہ الرحمہ کے شاگردان سلسلے میں شاہ ولی اللہ

۳۹۔ بدایونی: ص ۳۳۳

۴۰۔ بدایونی: ص ۵۱۵۔ ۱۔ بدایونی نے فیضی کے مرنے کی بہت سی تاریخیں نقل کی ہیں مثلاً:

فیضی شخص، دشمن نبوی
رفت و باخویش داغ لعنت برد
سلکے بو دودوزخی زان شر
سال فوتش ” چہ سگ پرستے مرد“

بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگوں کے کہنے سننے سے فیضی نے عل و من میں نعتیہ اشعار شامل کئے تھے۔ ابو الفضل کے قتل کی تاریخ بھی تذکرہ سرخوش (لاہور ۱۹۳۲ء، ص ۱۲۸) میں اسی قسم کی ہے: تیغ اعجاز

رسول اللہؐ باغی برد = ۱۰۱۱ھ

۴۱۔ بدایونی: ص ۳۱۹

دہلوی (۴۲) حضرت مظہر جان جانان، شاہ غلام علی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خالد رومی، صاحب فتاویٰ شامی، شاہ عبدالغنی مجذبی (جن کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد مظہر سہارنپوری) اور بانیانِ مدرسہ ہائے دیوبند و بریلی علیہم الرحمہ والغفران وغیرہ پیدا ہوئے۔ پھر ان کے اسباط و اخلاف نے وہ خدمات انجام دیں کہ آج بھی کسی حکمران طبقے کی مجال نہیں کہ وہ عہد اکبری کے فتنوں کو دوبارہ رائج کر سکے۔ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی دینی حالت دوسرے بلادِ اسلامیہ کے مسلمانوں کے مقابلے میں غنیمت ہے، وہ بھی اسی فیض کی غمازی کرتی ہے پھر دین سے متعلق جتنے بھی مسائل ۱۰۰۱ھ سے آج تک کھڑے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی دوسرے ہزارہ یئے کے اختتام تک (اگر دنیا قائم رہی) کھڑے ہوں گے، ان سب کا حل صراحتاً یا کنایتاً مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کے مجذبات الف ثانی ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے رسالہ اثبات النبوة (تحقیق النبوة) آگرہ میں لکھا گیا ہوگا۔ اس کے نسخے بھی بہت کیاب ہیں، خانقاہ سراجیہ، گندیاں (ضلع میانوالی) سے کرمی مولوی جمیل الدین احمد صاحب نے ۳ محرم ۱۲۴۳ھ والے نسخے کی نقل مرحمت فرمائی۔ پھر خودی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے محترم ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے توسط سے حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجذبی مدظلہ (ٹنڈوسائیں داد) سے بھی ایک نسخہ حاصل کیا خان محمد تالپر کا لکھا ہوا غالباً تیرہویں صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان تینوں نسخوں میں آخری مقالہ نہیں ہے۔ اسی لیے فی الحال متن کے حواشی میں اختلاف نسخ ظاہر نہیں کیا۔ محترم مولانا ابوالفضل صغیر الدین صاحب نے شروع سے آخر تک ہر قدم پر بہت زیادہ مدد فرمائی۔ مولانا عبدالحکیم صاحب چشتی، مفتی محمد مظہر بقا صاحب اور خصوصیت سے مولانا سراج احمد صاحب نے تصحیح و تطبیق میں بڑی مدد فرمائی۔ قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے داسے، درمے، سخنے بلکہ قلمے بھی امداد فرمائی۔ اللہ پاک ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

والسلام

احقر۔ غلام مصطفیٰ خاں

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

۴۲۔ نقش بندی مجددی ہونے کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی سند حدیث ظاہر کی سے بھی ہے، اور حضرت مجدد سے بھی۔ ملاحظہ ہوا نقول الجلیل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذى ارسل رسوله بالهدى وانزل عليه الكتاب ولم يجعل له عوجا
 قيما لينذر باسا شديدا امن لدنه ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات ان لهم
 اجرا حسانا فاكمل به لعباده دينهم واتم عليهم نعمته ورضى لهم الاسلام دينا و
 ختم به الانبياء والرسل المبعوثين الى الخلق بالآيات الباهرة والمعجزات
 العظمى ليسلمو اليهم انفسهم تسليم العميان الى القاندين وتسليم المرضى
 المتحيرين الى الاطباء المشفقين لتحصيل فوائد ومنافع العقل معزول عنها
 وجعله افضل الانبياء واکرم الرسل واعدلهم ملة واقومهم دينا وشرعاً هو الذى
 اخبر سبحانه عن اعتدال حاله ومرتبة كماله بقاله مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى لَقَدْ رَأَى
 مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى محمد المبعوث الى كافة الورى ليدغوهم الى تنزيهه
 توحيدهم ويكملهم فى قوتهم العلمية والعملية ويعالج قلوبهم المرضى صلى الله
 عليه صلوة هو لها اهل وعلى اله واصحابه الذين هم نجوم الهدى ومصابيح
 الدجى ما تعاقب الظلم والظيا وسلم تسليما كثيرا كثيرا .

اما بعد فيقول العبد المفتقر الى رحمة الله الولي المعين احمد بن عبد الاحد
 بن زين العابدين صانهم الله سبحانه عمالا يليق بهم ويشين انى لمارايت فتور
 اعتقاد الناس فى هذا الزمان فى اصل النبوة ثم فى ثبوتها وتحقيقها لشخص معين
 ثم فى العمل بما شرعته النبوة وتحقق شيوع ذلك فى الخلق حتى (١) ان بعض
 متغلبة زماننا عذب كثيرا من العلماء بتشديدات و تعذيبات لايناسب ذكرها

١ . كما فى نسخة مولانا حافظها شمر جان مد ظله، ولكن فى نسخة دهلى : حتى قتل كثير

من علماء اهل الاسلام لرسوخهم

لرسوخهم فى متابعة الشرايع واذعان الرسل وبلغ الامر الى ان يهجر التصريح باسم خاتم الانبياء عليه الصلوة والسلام فى مجلسه ومن كان مسمى باسمه الشريف غير اسمه الى اسم غيره ومنع ذبح البقرة وهو من اجل شعائر الاسلام فى الهند وخرّب المساجد ومقابر اهل الاسلام وعظّم معابد الكفار وايام رسوماتهم وعباداتهم وفى الجملة ابطل شعائر الاسلام واعلامه وروج رسوم الكفار واديانهم الباطلة حتى اظهر احكام كفر الهند فنقلها من لغتهم الى اللغة الفارسية ليمحو آثار الاسلام كلها وعلمت عموم داء الشك والانكار حتى مرض الاطباء و اشرف الخلق على الهلاك وتبعت عقيدة احاد الخلق وسالت عن شبههم وبحثت عن سرانهم وعقائدهم فما وجدت سببا لفتور اعتقادهم وضعف ايمانهم الا بعد العهد من النبوة والخوض فى علم الفلسفة وكتب حكماء الهند وناظرت بعض من قرء علم الفلسفة واخذ من كتب الكفرة حظا وادعى الفضيلة والفضل واهل الناس وضل فى تحقيق اصل النبوة وفى ثبوتها لشخص معين حتى قال ان حاصل النبوة يرجع الى الحكمة والمصلحة واصلاح ظاهر الخلق وضبط عوامهم عن التنازع والتشاجر والاسترسال فى الشهوات ولا تعلق لها بالنجاة الاخرى وانما هى لتهديب الاخلاق وتحصيل فضائل الاعمال القلبية التى اوردها الحكماء فى كتبهم وبنوها حق التبيين ثم اورد لتأييده ان الغزالي جعل كتابه احياء العلوم اربعة ارباع وجعل ربع المنجيات قسيما لربع العبادات كالصلوة والصوم وغيرهما مما اور دفى كتب الفقه يفهم منه انه موافق للحكماء وان العبادات البدنية غير منجية عند الحكماء ايضا ثم قال ان حكم من بلغه دعوة النبى فى عدم وجوب الايمان بالنبى والفرق بينهما تحكّم فقلت ان الحكمة الازلية والعناية الالهية اقتضت بعثة الانبياء عليهم السلام لتكميل النفوس البشرية ومعالجة الامراض القلبية وهو لا يتيسر الا بان يكونوا منذرين للمعاصى ومبشرين للمطيع ومخبرين عن عذاب وثواب اخرين لما ان كل نفس يستولى عليها الشوق الى مشتياتها فيقدم على المعاصى والرذائل من الاعمال وتكملهم سبب لسعادتهم ونجاتهم فى الدارين بل النجاة الاخرى والسعادة

الابدية هي المطلوب من البعثة لان متاع الدنيا قليل واما الحكماء فانهم لما ارادوا ترويح اباطيلهم خلطوا معها ما سرقوا من الكتب المنزلة على الانبياء واقوالهم واقوال اتباعهم الكمل من بيان تهذيب الاخلاق وتحصيل الاعمال الصالحة المتعلقة بالباطن ودونوه علما براسه كما ترى . والامام المحقق حجة الاسلام انما اورده قسيما للعبادات لان الفقهاء انما اورده في كتب الفقه بطريق التبعية والضمن ولم يبينوه حق التبيين لان غرضهم الاصلى يتعلق بظواهر الاعمال ويحكمون بالظاهر ولا يشققون القلوب والى الواطن وانما بينه علماء الطريقة المتعلقة بالباطن وقسم كتابه باعتبار اختلاف المتعلق والمقصد وانما سمى هذا القسم بالمنجى وان ذكر في العبادات انها منجية ايضا لان النجاة من اداء العبادات عرفت عن الفقه ونجاة هذا القسم مما لا يعرف منه فتامل وان بقى لك شك بعد فتامل في كلامه الذى اورده في هذه الرسالة ليحصل لك النجاة من هذه الشبهة بالكلية وقلت ايضا انك ماريت جالينوس وسيبويه فبم عرفت انه كان طبيبيا وسيبويه نحويا فان قلت لاني علمت حقيقة علم الطب فطالعت كتبه و تصانيفه وسمعت اقواله فاذا هي مشعرة عن معالجة الامراض وازالة الاسقام فحصل لى منه علم ضرورى بحاله وكذلك علمت النحو ورايت كتب سيبويه و سمعت اقواله فحصل لى منه علم ضرورى بانه نحوى - قلت اذا علمت معنى النبوة فاكثر النظر فى القران والاخبار يحصل لك العلم الضرورى بكونه صلى الله تعالى عليه و اله وسلم على اعلى درجات النبوة وبعد العهد غير قادم فى هذا التصديق كما لا يقدر فى التصديق السابق لما ان جميع اقواله وافعاله صلى الله تعالى عليه و اله وسلم مشعر عن تكميل النفوس البشرية فى قوتهم العلمية والعملية بالعقائد الحققة والاعمال الصالحة وعن معالجة القلوب المريضة وازالة ظلماتها ولا معنى للنبوة الا ذلك واما شاهر الجبل الذى لم يبلغه دعوة النبى صلى الله عليه وسلم وما سمع اقواله وما علم احواله فلا يمكنه التصديق بنبوته ولا يتسرله العلم بارساله فكان النبى لم يعث فى حقه فكان معذورا غير مكلف بايمانه لقوله

سبحانه وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا . ولما تمكن في قلبي وتقرر في صدري ان اقرر لهم ما يرفع شكوكهم واحرار لا جلهم مايزيل شبههم لما رأيت ذلك على نفسي حقا واجبا ودينا لا زما لا يسقط بدون الاداء فالفت رسالة وحررت مقالة في اثبات مطلب اصل النبوة ثم في تحقيقها وثبوتها لخاتم الرسل عليه من الصلوة اغتسلها ومن التحيات اكملها وفي رد شبه المنكرين النافين لها وفي ذم الفلسفة وبيان الضرر الحاصل من ممارسة علومهم ومطالعة كتبهم بدلائل وبراهين ملتقطا واخذ اياها من كتب القوم وملحقا ومضيفا اليها ما سنح به خاطري الكليل بعون اللها الملك الجليل، فاقول الرسالة مرتبة على مقدمة ومقالتين اما المقدمة ففيها بحثان

البحث الاول في التحقيق في معنى النبوة

اعلم ان النبي عند المتكلمين من قال له الله ارسلتك الى قوم كذا او الى كافة الناس او بلغهم عنى او نحوه من الالفاظ المفيدة لهذا المعنى كبعثتك اليهم ونبئهم ولا يشترط في الارسال شرط ولا استعداد ذاتي كما زعمه الحكماء بل الله يختص برحمته من يشاء وهو اعلم حيث يجعل رسالته لما هو سبحانه قادر مختار يفعل ما يشاء ويختار ما يريد اقول لا يتوهم ان المتكلمين شرطوا المعجزة للنبي ايضا وجعلوها من خواص يمتاز هو بها عن غيره لان المعجزة عندهم شرط للعلم بكونه نبيا لا لكونه نبيا والمراد من الامتياز العلمي لا الذاتى فافهم . واما الفلاسفة فقالوا النبي من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز بها عن غيره احدها ان يكون له اطلاع على المغيبات الكائنة والماضية والآتية قلنا ان الاطلاع على جميع المغيبات لا يجب على النبي اتفاقا منا ومنكم والاطلاع على البعض لا يختص بالنبي كما جوز تموه للمرتاضين والمرضى والنائمين فلا تميز اقول لعلمهم ارادوا الاطلاع على اكثر المغيبات الخارج عن المعتاد الخارق للعادة وهو

ليس مجهولا بل هو معلوم عادة وعرفا واما الاطلاع على الغيب والاحبار به مرة او مرتين بدون التكرار البالغ حد الاعجاز فليس بخارق للعادة فحينئذ يتميز النبي عن غيره فافهم . اعلم ان المتكلمين ايضا معترفون بان الانبياء يعلمون الغيب باعلام الله سبحانه الا ان الاشتراط به باطل وكذا السبب الذي اورده الفلاسفة للاطلاع مردود ايضا لا يناسب اصول اهل الاسلام بقى شئ وهو ان الاطلاع على المغيبات على هذا التقدير يكون داخلا في الخاصة الثانية لما انه من الامور العجيبة الخارقة للعادة فلا يظهر لا يراده علاحدة وجه حسن فتأمل وثانيها ان يظهر منه الافعال الخارقة للعادة ككون هولي عالم العناصر مطيعة له متقادة لتصرفاته انقياد بدنه لنفسه فلا يبعد ان يقوى نفس النبي فيؤثر في الهولي العنصرية بحسب ارادته وتصرفاته حتى يحدث بارادته في الارض رياح وزلازل وحرق وغرق وهلاك اشخاص ظالمة وخراب ابدان فاسدة قلنا هذان على تأثير النفوس في الاجسام وقد بين في موضعه ان لا موثر في الوجود الا الله سبحانه على ان ظهورا لامور العجيبة الخارقة للعادة لا يختص بالنبي كما اعترفتم به فكيف يميزه عن غيره اقول ان الفلاسفة وان جوزوا ظهور الامور العجيبة الخارقة للعادة لا يختص بالنبي كما اعترفتم به فكيف يميزه عن غيره؟ اقول ان الفلاسفة وان جوزوا ظهورا لامور العجيبة من غير الانبياء ايضا لكنهم لم يجوزوا تكرارها وبتلوغها الى حد الاعجاز الخارق للدادة كما يفهم عن عباراتهم فحينئذ يتميز النبي عن غيره لظهور الامور العجيبة الخارقة للعادة من النبي وعدم ظهور تلك الامور من غيره فافهم والله سبحانه اعلم بالصواب .

وثالثها ان يرى الملائكة مصورة بصور محسوسة ويسمع كلامهم وحيا من الله سبحانه قلنا هذا لا يوافق مذهبهم واعتقادهم بل هو تلبس على الناس في معتقدهم وتستر عن شناعته بعبارة لا يقولون بمعناها لانهم لا يقولون بملائكة يرون بل الملائكة عندهم اما نفوس مجردة في ذواتها متعلقة باجرام الافلاك وتسمى ملائكة سماوية او عقول مجردة ذاتا وفعلا ويسمى بالملاء الاعلى ولا كلام لهم حتى يسمع لانه من خواص الاجسام اذا بحروف والاصوات عندهم

من الامور العارضة للهواء المتموج اقول لعل الفلاسفة انما منعوا روية
المجردات وسماع كلامهم اذا كانوا غير مصورين بصور وغير مجسمين
باجسام وحينئذ جازان يتمثلوا بصور و يظهر و ابا جسام فيتعلق الروية بهم ويجوز
سماع كلامهم اعضا لان لكل مرتبة حكما جوازا و منعا و هؤلاء لما تنزلوا عن
مراتبهم العالية ولبسوا كسوة التنزل اخذوا احكام هذه المرتبة و لا محذور فيه
فافهم و الله سبحانه اعلم -

البحث الثاني في المعجزة

وهي عندنا عبارة عما قصده اظهار صدق من ادعى انه رسول الله ولها شرائط
الف: ان تكون فعل الله لان التصديق منه لا يحصل بما ليس من قبله
ب: ان تكون خارقة للعادة لان ما هو معتاد كطلوع الشمس في كل يوم وبدؤ
الازهار في كل ربيع لا يدل على الصدق كما ترى
ج: ان يتعد معارضتها لان ذلك حقيقة الاعجاز
د: ان تكون ظاهرة على يد مدعى النبوة ليعلم انه تصديق له
ه: ان تكون موافقة للدعوى فلو قال معجزتي ان احبي ميتا ففعل خارقا اخر
كنتق الجبل مثلا لم يدل على صدقه لعدم تنزله منزلة تصديق الله سبحانه آياه
و: ان لا يكون ما ادعاه و اظهره من المعجزة مكذبا له فلو قال معجزتي ان
ينطق هذا الضب فنطق الضب انه كاذب لم يعلم به صدقه بل ازداد اعتقاد كذبه
لان المكذب هو نفس الخارق
ز: ان لا تكون متقدمة على الدعوى لان التصديق قبل الدعوى لا يعقل و اما
كلام عيسى عليه السلام في المهدي و تساقط الرطب الجنى عليه من النخلة
الياسنة و شق بطن محمد صلى الله عليه و اله و سلم و غسل قلبه و اظلال الغمامة
و تسليم الحجر و المدر عله و غيرها مما كانت متقدمة على دعوى النبوة فاست

معجزات بل هي كرامات وتسمى حينئذ ارهاصا اي تاسيسا للنبوة واما المعجزة المتاخرة عن الدعوى فاما ان يكون تاخرها بزبان يسير يعتاد مثله فظاهر انها دالة على الصدق واما ان يكون تاخرها بزمان متطاوول مثل ان يقول كذا بعد شهر فحصل فاتفقوا على انه معجزة ايضا دالة على ثبوت النبوة لكنه انتفى التكليف بمتابعته حينئذ ما لم يحصل الموعد لان شرطه العلم بكونه معجزة وذلك بعد حصول ما وعد به واما كيفية دلالتها على صدق مدعى النبوة فاعلم ان هذه الدلالة ليست دالة عقلية محضة كدلالة الفعل على وجود الفاعل ودلالة احكامه واتقانه على كونه عالما بما صدر عنه فان الدالة العقلية ترتبط بنفسها بمدلولاتها ولا يجوز تقديرها غير دالة عليها وليست المعجزة كذلك فان خوارق العادات كانهطار السموات وانتشار الكواكب وتدكك الجبال تقع عند تصرم الدنيا وقيام الساعة ولا ارسال في ذلك الوقت وكذلك يظهر الكرامات على ايدي الاولياء من غير دالة على صدق مدعى النبوة ولا دالة سمعية لتوقفها على صدق النبي ﷺ فيدور بل هي دالة عادية. كذا حققه السيد السند في شرح المواقف اقول وبالله العزمة والشرقيق ان التصريح بالتحدي وطلب المعارضة وان لم يكن شرطا للمعجزة عند الجمهور الا ان التحدي الضمني المفهوم من قرائن الاحوال مما لا بد منه في المعجزة عند الكل وبدونه لا تصير معجزة فالاجاب عن اشياء يكون وقوعها وتحققها عند تصرم الدنيا وقيام الساعة لا يكون معجزة لما لا تحدى ثمة اصلا ما صرحا فظاهر واما ضمنا فكذلك لما لا وجود لاحد في ذلك الوقت حتى يتصور منه طلب المعارضة وكذلك الكرامات الظاهرة على ايدي الاولياء ليست معجزات لعدم مقارنتها الدعوى والتحدي فلا يلزم من عدم دالة هذه الخوارق على صدق مدعى النبوة خلو المعجزات هذه الدلالة والمطلوب هو ذلك فافهم. فان قلت دالة المعجزات على صدق مدعى النبوة ليست الا لانها خارقة للعادة ولا مدخل لخصوصية المعجزة في هذه الدلالة قلت ليس الامر كما زعمت بل الدال هو تعذر المعارضة وعدم قدرة الغير على اتيان ماها الذي هو حقيقة الاعجاز فيكون اخصوصيتها مدخل في الدلالة بل هي

العمدة في الدلالة لا يقال قد صرح السيد السند الشريف في شرح المواقف بان الدليل النقلى المحض لا يتصور اذ صدق المخبر لا بدمنه وانه لا يثبت الا بالعقل وهو ان ينظر في المعجزة الدالة على الصديق يفهم منه ان دلالة المعجزة على صدق النبي شقلمة ونفى ههنا الدلالة العقلية عنها فهل هذا الاتناقض لانا نقول المفهوم من هذه العبارة هو نظر العقل في المعجزة الدالة على الصدق ليعلم منه صدق المخبر واما ان دلالتها على الصدق عقلية او عادية او غير ذلك فمما لا يفهم منها اصلا سلمنا ذلك لكن لا يفهم منها انهاد لالة عقلية محضة وهو المطلوب بالنفي ههنا لمالا يدعى احد ان لا مدخل للعقل في دلالتها اصلا ليكون تناقضا والحصر الواقع في عبارته قدس سره اضافى اورد بالنسبة الى النقل فتأمل وكذا ليست دلالة المعجزة على صدق النبي دلالة سمعية والا يدور لوقفها على صدق النبي بل هي دلالة عادية حيث اجرى الله تعالى عادته بخلق العلم بالصدق عقيب ظهور المعجزة فان اظهار المعجزة على يد الكاذب وان كان ممكنا عقلا فمعلوم انتفاؤه عادة لان من قال انا نبي ثم نتق الجبل ووقفه على رؤسهم وقال ان كذبتموني وقع عليكم وان صدقتموني انصرف عنكم وكلما هموا بتصديقه بعد عنهم واذاهموا بتكذيبه قرب منهم علم بالضرورة انه صادق في دعواه والعادة قاضية بامتناع ذلك من الكاذب وقد اوردوا لهذا مثلا وقالوا اذا ادعى الرجل بمشهد الجرم الغفير انى رسول هذا الملك اليكم ثم قال للملك ان كنت صادقا فخالف عادتك وقم من الموضوع المعتاد لك وهو السرير واقعد بمكان لا تعتاده ففعل كان ذلك نازلا منزلة التصديق بصريح مقاله ولم يشك احد في صدقه بقريئة الحال وليس هذا من باب قياس الغائب على الشاهد بل ندعى ان ظهور المعجزة يفيد علما ضروريا بالصدق وان كونه مفيدا له معلوم بالضرورة العادية ونذكر هذا المثال للتفهيم وزيادة التقرير - وقالت المعتزلة خلق المعجز على يد الكاذب مقدور لله تعالى لعموم قدرته لكنه ممتنع وقوعه في حكمته لان فيه ايهام صدقه وهو اضلال قبيح من الله سبحانه فيمتنع صدوره عنه كسائر القبايح قال الشيخ وبعض اصحابنا ان خلق المعجزة على يد الكاذب غير

مقدور في نفسه لان للمعجزة دلالة على الصدق قطعا بحيث يمتنع التخلف عنها فلا بدلها من وجه دلالة اذبه يتميز الدليل الصحيح عن الفاسد وان لم نعلم ذلك الوجه بعينه فان دل المعجز المخلوق على يدا لكاذب على الصدق كان الكاذب صادقا وهو محال والا انك المعجز عما يلزمه من دلالة القطعية على مدلوله وهو ايضا محال وقال القاضي اقتران ظهور المعجزة بالصدق ليس امرا لازما لزوما عقليا كاقتران وجود الفعل بوجود فاعله بل هو احد العاديات كما عرفت فاذا جوزنا انخراقها عن مجراها العادى جاز اخلاء المعجز عن اعتقاد الصدق وحينئذ يجوز اظهاره على يد الكاذب ولا محذور فيه سوى خرق العادة في المعجزة والمفروض انه جائز واما بدون ذلك التجويز فلا يجوز اظهاره على يد الكاذب لان العلم بصدق الكاذب محال . اقول ان تجويز انخراق العاديات عن مجراها العادى مطلقا يوجب تجويز اخلاء المعجزة عن اعتقاد صدق النبي ايضا لان العلم بصدقه عقيب المعجزة عادى فحينئذ لا يتميز الصادق عن الكاذب و ينسد باب اثبات النبوة لان العمدة في اثباتها تحقق العلم الضروري العادى بصدق النبي عند ظهور المعجزة بل يلزم ان لا يكون المعجزة معجزة وان لا يكون لها دلالة على الصدق اصلا لانها باعتبار خرقها العادة تسمى معجزة وتدل على الصدق فلو جوزنا انخراق العادة مطلقا صارت هي حينئذ كالا مور المعتادة في عدم الدلالة على الصدق كطلوع الشمس في كل يوم فالحق في هذا المقام ما اتلو عليك انا انما جوزنا خرق العادة خاصة في حق النبي اعجازا و في حق الولي كرامة مع كونه سفسطة لحصوله في كل عصر وتحققه في كل زمان حتى صار عادة مستمرة لا يمكن انكاره وارتفع استبعاده واما فيما وراء ذلك فالعادة باقية على حالتها الاصلية لا يرتفع استبعادها ولا يتطرق اليها شبهة ولا يجوز فيها انخراق اصلا والا يلزم تجويز انقلاب الجبل الذي رأيناه فيما مضى ذهابا لان وكذاماء البحر دما او دهنا و اوانى البيت رجالا علماء وتولد هذا الشيخ دفعة بلااب وام وكون من ظهرت المعجزة على يده غير من ادعى النبوة بان يعدم هو ويوجد مثله ولا يخفى ما فيه من الخبط والاخلال في امور المعاش و المعاد فلو اظهر الله سبحانه

المعجزة على يد الكاذب لم يتخلف عنها اعتقاد صدقه عادة ويلزمها العلم العادي بصدقه لما ان العادة احد طرق العلم كالحس والعلم بصدق الكاذب محال وايضا يكون اظهار المعجزة تصديقا من الله للكاذب وتصديق الكاذب كذب تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا (١) واما السحر ونحوه فمن قبيل ترتيب السباب لحصول المسببات وليس من الخوارق في شئني على انه قوهيم وتخويل وارة حقيقة غير متحققة في نفس الامر كسراب بقیعة يحسبه الظمان ماء حتى اذا جائه لم يجده شيئا.

المقالة الاولى وفيها مسلكان

المسلك الاول، في البعثة وحقيقة النبوة واضطرار كافة الخلق اليها اعلم ان جوهر الانسان في اول الفطرة خلق ساذجا خاليا لا خبر معه من عوالم الله والعوالم كثيرة لا يعلمها الا الله سبحانه كما قال سبحانه وما يعلم جنود ربك الا هو وانما خبره من العوالم بواسطة الادراك فكل ادراك من الادراكات انما خلق ليطلع الانسان به على عالم من الموجودات ونعني بالعوالم اجناس الموجودات فاوّل ما يخلق في الانسان حاسة اللمس فيدرك به الحرارة والبرودة والرطوبة واليبوسة واللين والخشونة وغيرها واللمس قاصر عن ادراك الالوان والاصوات قطعاً بل هي كالمعدومة في حق اللمس ثم يخلق له البصر فيدرك به الالوان والاشكال وهو اوسع عالم المحسوسات ثم يفتح له السمع فيسمع الاصوات والنفمات ثم يخلق له الذوق كذلك الى ان يجاوز عالم المحسوسات فيخلق فيه التمييز وهو قريب من سبع سنين وهو طور آخر من اطوار وجوده فيدرك فيه امورا زائدة على المحسوسات يوجد منها شئ في عالم الحس ثم يترقى الى طور آخر فيخلق له العقل فيدرك الواجبات والجائزات والمستحيلات وامورا لا توجد في

١ في القرآن المتجيد: سبحانه وتعالى عما يقولون علوا كبيرا (بنى اسرائيل: ٤٣)

الاطوار التى قبله ووراء العقل طور اخر تفتح فيه عين اخرى يبصر بها الغيب وما
 مسكون فى المستقبل وامورا اخرى العقل معزول عنها كعزل قوة الحس عن
 مدركات التمييز وكمات المتميز لو عرض عليه مدركات العقل لابي واستبعدها
 فكذلك يبض العقلاء ابي مدركات النبوة فاستبعدها وذلك عين الجهل اذلا
 مستدله الا انه طور لم يبلغه ولم يوجد فى حقه فظن انه ليس موجودا فى نفسه والا
 ولم يعلم بالتواتر والتسامع الالوان والاشكال وحكيت له ابتداء لم يعلمها
 ولم يقربها وقد قرب الله تعالى ذلك على خلقه بان اعطاهم انموذجا من خاصة
 النبوة وهو النوم اذ النائم يدرك ماسيكون من الغيب اما صريحا او فى كسوة مثال
 يكشف عنه التعبير وهذا القسم لو لم يجربه الانسان من نفسه وقيل له ان من
 الانسان من يسقط مغشيا عليه كالमित ويزول احساسه وسمعه وبصره فيدرك
 الغيب لا نكره ولا قام البرهان على استحالته وقال القوى الحاسة اسباب الادراك
 فمن لم يدرك الاشياء مع وجودها وحضورها فبان لا يدرك مع وجودها اولى
 واحق وهذا نوع قياس يكذبه الوجود والمشاهدة وكمات العقل طور من اطوار
 الادمى تحصل فيه عين يبصر بها انواعا من المعقولات والحواس معزولة عنها
 فكذلك النبوة عبارة عن طور تحصل فيه عين لها نور يظهر فى نورها الغيب وامور
 لا يدركها العقل والشك فى النبوة اما ان يقع فى امكانها او فى وجودها ووقوعها
 او حصولها لشخص معين ودليل امكانها وجودها ودليل وجودها وجود معارف
 لا يتصور ان تنال بالعقل كعلم الطب والنجوم فان من بحث عنهما علم
 بالضرورة انهما لا يدركان الا بالهام الهى وتوفيق من جهة الله تعالى سبحانه ولا
 سبيل اليهما بالتجربة فمن الاحكام النجومية مالا تقع الا فى كل الف سنة مرة
 فكيف ينال ذلك بالتجربة وكذلك خواص الادوية فتبين بهذا البرهان ان من
 الامكان وجود طريق لا ادراك هذه الامور التى لا يدركها العقل وهو المراد بالنبوة
 لان النبوة عبارة عنها فقط بل ادراك هذا الجنس الخارج من مدركات العقل احدى
 خواص النبوة ولها خواص كثيرة سواها وما ذكرناها قطرة من بحرها انما ذكرنا
 ها لان معك انموذجا منها من مدركاتك فى النوم ومعك علوم من جنسها فى

الطَّبِّ والنجوم وهي معجزات الانبياء ولا سبيل اليها للعقلاء ببضاعة العقل اصلا واما عداها من خواص النبوة فانما تدرك بالذوق من سلوك طريق التصوف وسبيل اولياء الله ولكن هذه الخاصة الواحدة تكفيك للايمان باصل النبوة كما ذكره الامام الغزالي في كتابه المسمى بالمنقذ من الضلال قالت الفلاسفة البعثة حسنة لا شتمها على فوائدها كعما ضللة العقل فيما يستقل بمعرفة العقل مثل وجود الباري وعلمه وقدرته واستفادة الحكم من النبي فيما لا يستقل به العقل مثل الكلام والروية والمعاد الجسماني لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل (١) وازالة الخوف الحاصل عند الايمان بالحسنات لكونه تصرفا في ملك الله بغير اذنه وعند تركها لكونه ترك الطاعة واستفادة الحسن والقبح في الافعال التي يحسن تارة ويقبح اخرى من غير اهداء للعقل الى مواقعها ومعرفة منافع الاغذية والادوية ومضارها التي لا تفي بها التجربة الا بعد ادوار واطوار مع ما فيها من الاخطار وحفظ النوع الانساني فان الانسان مدني بالطبع الى التعاون فلا بد من شرع يفرضه شارع يكون مطاعا وتكميل النفوس البشرية بحسب استعداداتهم المختلفة في العلميات والعمليات وتعليمهم الصناعات الحقيقية من الحاجات والضروريات والاخلاق الفاضلة الراجعة الى الاشخاص والسياسات الكاملة العائلة الى الجماعات من المنازل والمدن والاخبارات بالعقاب والثواب ترغيبا في الحسنات وتحذيرا عن السيئات الى غير ذلك - لا يخفى ان المفهوم من هذا الكلام وجوب البعثة فالمراد بالحسن ما يعم الواجب ايضا ويؤيده ما وقع التصريح منهم في بعض المواضع بان البعثة واجبة -

اعتراضات المنكرين

والمنكرون للبعثة اوردوا اعتراضات الاول المبعوث لا بد ان يعلم ان القائل له ارسلتك فبلغ عنى هو الله ولا طريق الى العلم به اذ لعله من القاء الجن وانكم اجمعتم على وجوده . والجواب ان المرسل ينصب دليلا يعلم به الرسول ان

القائل له ارسلتك هو الله دون الجن بان يظهر الله سبحانه آيات ومعجزات يتقاصر عنها جميع المخلوقات وتكون مفيدة له ذلك العلم او يخلق علما ضروريا فيه بانه المرسل والقائل الثاني ان من يلقي الى النبي الوحي ان كان جسمانيا وحب ان يكون مرثيا لكل من حضر حال اللقاء وليس الامر كذلك كما اعترفتكم به وان لم يكن جسمانيا بل روحانيا كان القاء الوحي منه بطريق التكلم مستحيلا اذ لا يتصور للروح حياية كلام والجواب باختيار الشق الاول ومنع الملازمة استنادا بانه جازان لا يخلق الله رؤية في الحاضرين فان قدرته لا تقصر عن شئ ولا يخفى ان تجويز عدم خلق رؤية للحاضرين مع انه في نفسه ممكن مقدور لله سبحانه يستلزم تجويز ان يكون بحضرتنا جبال شاهقة وبلاد عظيمة لا طراها وبوقات وطبول لا نسمعها وهو سفسطة فاقول والله سبحانه اعلم ان الملقى جسماني لطيف شفاف وهو الملك وروية الجسم الشفاف غير معتادة كالسما فلما يلزم الفسطة وانما يلزم ان لو يجوز عدم روية الجسم الكثيف لما هو خلاف المعتاد فافهم . ولنا ان نجيب باختيار الشق الثاني ايضا بان يكون الروحاني متمثلا بصورة لطيفة شفافة ويسمع الرسول كلامه وحيامن الله سبحانه كما امر ولا محذور فيه فتأمل ، الثالث التصديق بالرسالة يتوقف على العلم بوجود المرسل وما يجوز عليه وما لا يجوز وانه لا يحصل الا بغامض النظر والنظر الموصل الى هذا العلم غير مقدر بزمان معين كيوم او سنة بل هو مختلف بحسب الاشخاص واحوالهم فللمكلف الاستمهال لتحصيل النظر وله دعوى عدم العلم في اى زمان كان وحينئذ يلزم افحام النبي ويبقى البعثة عبثا وان لم يجر له الاستمهال بل وجب عليه التصديق بلا مهلة لزم التكليف بما لا يطاق لان التصديق بالرسالة بدون العلم المذكور مما لا يتصور وجوده وانه قبيح عقلا فيمتنع صدوره عن الحكيم تعالى . والجواب انه لا يجب الامهال لا نأينا فيما سبق من انه اذا ادعى الرسالة واقترن بدعواه المعجزة الخارقة للعادات وجب المتابعة بلا مهلة لحصول العلم العادي عند ظهور المعجزة بصدق الرسول فافهم .

الرابع ان البعثة لا يخلو عن التكليف لانه فائدها والتكليف ممتنع بوجوده

الاول انه يثبت الجبر لما ان فعل العبد واقع بقدره الله تعالى اذ لا تاثير لقدرة العبد عند كرم والتكليف بقدره الغير تكليف بما لا يطاق والجواب ان قدرة العبد وان كان غير موثرة الا ان لها تعلقا بالفعل يسمى كسبا وباعتباره جازا التكليف به فلا يكون تكليفا بما لا يطاق. الثاني ان التكليف اضرار بالعبد لما يلزمه من ضرر التعب بالفعل او العقاب بالترك والا ضرار قبيح والله تعالى منزه عنه والجواب ان ما في التكليف من المصالح الدنيوية والاخروية يربى كثير اعلى المضرة التي هي فيها كما سيحتمى تحقيقه وترك الخير الكثير لاجل الشر القليل مما لا يجوز الثالث ان ما في التكليف من التعب اما لا لغرض وهو عبث قبيح او لغرض يعود الى الله وهو تعالى منزه عن الاغراض كلها او الى العبد وهو اضرار وهو منتف بالاجماع او نفع وتكليف جلب النفع والتعذيب بعدمه بخلاف المعقول لانه ممنزلة ان يقال له حصل المنفعة لنفسك والا عذابتك ابد الابد والجواب انه فرع حكم العقل بالحسن والقبح ووجوب لغرض في افعاله تعالى وقد ابطنا كل واحد منهما في موضعه وايضا ان التكليف الغرض يعود الى العبد وهو المنافع الدنيوية والاخروية التي تربي على مضرة التعب بمشاق الافعال واما عقابه ابد فليس لانه لم يحصل المنفعة بل لانه لم يمتثل امر مولاه وسيده وفي ذلك اهانة اقوال والله سبحانه اعلم للمعتز ان يقول لم كلف الله سبحانه به مع علمه بانه لا يتمثل ولا يستجلب به فائدة لنفسه فهل هذا الاضرار له وهو قبيح ويمكن الجواب عنه بان التكليف وان كان بالنسبة اليه اضرارا الا انه قد مر ان الضرر القليل لاجل الخير الكثير مما يجوز عقلا فلا يكون قبيحا قالت المعتزلة ان في تكليف الكافر فائدة ايضا وهي التعريض للثواب فان الثواب فائدة امتثال المكلف للمكلف به لافائدة التكليف وقريب من هذا ما اوردوا مثالا وهو كمن دعا غيره الى طعامه وهو يعلم انه لا يجيبه الا انه استعمل معه نوعان التاديب والتلطف واذ لم يشغل الداعي ذلك النوع من التاديب كان ناقضا لغرضه.

حكمة البعثة والشرائح

الاولى والانفع فى هذا المقام ان يذكر ما قاله حكماء الاسلام من ان التكليف حسن بيان ذلك ان الله تعالى خلق الانسان بحيث لا يستقل وحده بامور معاشه لاحتياجه الى غذاء ولباس ومسكن وسلاح وغير ذلك من الامور التى كلها صناعى لا يقدر عليها صانع واحد مدة حياته وانما ييسر لجماعة يتعاقدون ويتشاركون فى تحصيلها بان يعمل كل لصاحبه بازاء ما يعمل له الآخر مثلا يخطط هذا لذلك ويحصل ذلك الابرة له — وعلى هذا قياس سائر الامور فيتم امر معاشه باجتماع من بنى نوعه ولهذا قيل الانسان مدنى بالطبع فان التمدن باصطلاحهم عبارة عن هذا الاجتماع ولا ينتظم الا اذا كان بينهم معاملة وعدل لان كل واحد يشتهى ما يحتاج اليه ويغضب على من يزاحمه فيه وذلك يدعوه الى الجور على الغير فيقع من ذلك الحرج فيختل امر الاجتماع ونظامه للمعاملة وللعدل جزئيات غير محصورة لا ينضبط الا بوضع قوانين هى السنة والشرع فلا بد من شارع ثم انهم لوتنازعوا فى وضع السنة والوضع والشرع لوقع الحرج فينبغى ان يمتاز الشارع منهم باستحقاق الطاعة لينقادوا لباقون له فى قبول السنة والشرع منه وهذا الاستحقاق انما يتصور باختصاصه بايات تدل على انه من عند الله تعالى وتلك هى المعجزات ثم ان الجمهور من الناس يستحقون احكام الشرع اذا استولى عليهم الشوق الى مشتهياتهم فيقدمون على المعصية ومخالفة الشرع فاذا كان للمطيع ثواب وللمعاصى عقاب فحملهم الخوف والرجاء على الطاعة وترك المعصية كان انتظام الشريعة اقوى مما اذا لم يكن كذلك فوجب عليهم معرفة الشارع والمجازى ولا بد من سبب جائط بتلك المعرفة فلذلك شرعت العبادات المذكورة لصاحب الشرع والمجازى وكررت عليهم حتى استحكمت التذكير به لتكرير فاذا ينبغى ان يكون الشارع داعيا الى

التصديق بوجود خالق عليم قدير والى الايمان بشارع مرسل اليهم من عنده صادق والى الاعتراف بوعد ووعد وثواب وعقاب اخرويين والى القيام بعبادات يذكر فيها الخالق بنعوت جلاله والى الانقياد بسنة التى يحتاج اليها الناس فى معاملاتهم حتى يستمر بتلك الدعوة العدل المقيم لنظام امور النوع وتلك السنة است عمالها نافع فى امور ثلاثة الاول رياضة القوى النفسانية بمنعها عن معانقة الشهوة ولغضب الممانعة عن توجه النفس الناطقة الى جناب القدس الثانى ادامة النظر فى الامور العالية المقدسة عن العوارض المادية والكدورات الحسية المودية الى ملاحظة الملكوت الثالث تذكر انزارات الشارع ووعد للمحسن ووعيده للمسنى المستلزما لاقامة العدل فى الدنيا مع زيادة الاجر والثواب فى الآخرة هذا كلامهم وقريب من هذا ما قالت المعتزلة من ان التكليف واجب عقلا لانه زاجر عن ارتكاب القبائح لان الانسان بمقتضى طبعه يميل الى الشهوات والمستلذات فاذا علم انها حرام انزجر عنه والزجر عن القبائح واجب. الرابع (١) التكليف امام وجود الفعل ولا فائدة فيه اصلا لوجوده وتعيين صدره فيكون عبثا قبيحا من وجوه امتناع التكليف وكذا الحال اذا كان التكليف بعد الفعل مع انه تكليف بتحصيل الحاصل واما قبل وجود الفعل وانه تكليف بما لا يطاق لان الفعل قبل الفعل محال اذلا يمكن وجود الشئى حال عدمه (٢) والجواب ان القدرة مع الفعل عندنا والتكليف به فى هذه الحالة ليس تكليفا بالمحال الذى هو تحصيل الحاصل وانما يكون كذلك ان لو كان الفعل حاصلًا بتحصيل سابق على التحصيل الذى هو ملتبس به وليس كذلك بل هو حاصل بذلك التحصيل على انا نقول التكليف كالاحداث فيقال احداثه اما حال وجوده فيكون تحصيلًا للحاصل واما حال عدمه فيكون جمعا بين النقيضين والاحداث مما لا شك فيه

فما هو جوابكم فى الاحداث فهو جوابنا فى التكليف والمعتزلة اجابوا عن هذا الاعتراض بان التكليف قبل الفعل ليس ذلك تكليفا بما لا يطاق لان التكليف

١. اى الوجه الرابع من وجوه امتناع التكليف

٢. اى باعتبار الشئ الاول

فى الحال انما هو بالايقاع فى ثانى الحال لا بالايقاع فى الحال ليكون جمعا بين النقيضين وهو الوجود والعدم كما ان تكليف الكافر فى الحال انما هو بايقاع الايمان فى ثانى الحال وفيه نظر لانه ان استمر الكفر مثلا فى ثانى الحال فلا قدرة فيه على الايمان وان بدّل بالايمان لم يكن مكلفا به لاستحالة التكليف لتحصيل الحاصل ويمكن الجواب عنه بان التكليف لا يتعلق الا بما هو مقدور واللازم منه ان يكون المكلف به مقدورا فى زمان وجوده واما كون القدرة مجامعة للتكليف فلا مع ان التكليف بتحصيل الحاصل انما يستحيل اذا كان بتحصيل آخر لا بذلك التحصيل كما مر فان قلت ان استمرار الكفر فى ثانى الحال لا ينفي قدرته على الايمان فيه عندهم لان الايمان حال الكفر مقدور بزعمهم لان القدرة قبل الفعل ثابتة اليصح تكليف الكافر بالايمان لما ان التكليف لغير المقدور غير واقع لقوله تعالى لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وحينئذ يصح الجواب باختيار الشق الاول (١) ايضا كما ترى فاقول والله سبحانه اعلم مراد الناظر انه على تقدير استمرار الكفر فى ثانى الحال يكون الايمان غير مقدورا فيه ايضا لانه جمع بين الوجود والعدم فلا يكون لاعتذارهم بان التكليف فى الحال انما هو بالايقاع فى ثانى الحال فائدة اصلا، فعلى هذا لا يمكن الجواب باختيار الشق الاول (٢) كما لا يخفى فافهم -

الخامس (٣) لبعض الملاحة ان التكليف بالافعال الشاقة البدنية يشغل اباطن عن التفكير فى معرفة الله تعالى وما يجب له من الصفات وما يفوز ويمتنع من الافعال ولا شك ان المصلحة المتوقعة من هذا الغايت وهو النظر فيما ذكر يربى على ما يتوقع مما كلف به فكان ممتنعا عقلا والجواب ان التفكير فى معرفة الله تعالى سبحانه هو المقصد الاقصى من التكليف وسائر التكاليف معينة عليه داعية اليه ووسيلة الى صلاح المعاش المعين على صفاء الاوقات عن المشوشات التى يربى شغلها على شغل التكاليف. الاعتراض الخامس ان فى العقل مندوحة وكفاية

عن البعثة فلا فائدة فيها احتجوا بان ما حكم العقل بحسنه يفعل وما حكم بقبحه يترك وما لم يحكم فيه بحسن ولا بقبح يفعل عند الحاجة اليه لان الحاجة حاضرة فيجب اعتبارها دفعا لمضرة فواتها ولا يعارضها مجرد احتمال المضرة بتقدير قبحه ويترك عند عدمها للاحتياط في دفع المضرة المتوهمة والجواب بعد تسليم حكم العقل بالحسن والقبح والمنفعة والمضرة وبيان ما يقصر عنه العقل ابتداء فان القائلين بحكم العقل لا ينكرون من الافعال ما لا يحكم العقل فيه بشيئى كوظائف العبادات وتعيين الحدود ومقاديرها وتعليم ما ينفع وما يضر من الافعال والنبي الشارح كالطبيب الحاذق يعرف الادوية وطبائعها وخواصها بما لو امكن معرفتها للعامه بالتجربة ففي دهر طويل يحرمون فيه من فوائد ها ويقعون فى المهالك قبل استكمالها اذ ربما يستعملون من الادوية فى تلك المدة ما يكون مهلكا ولا يعلمون ذلك فيهلكهم مع ان اشتغالهم بذلك يوجب اتعاب النفس وتعطل الصناعات الضرورية والشغل عن مصالح المعاش فاذا تسلموه من الطبيب خفت المؤنة وانتفعوا به وسلموا من تلك المضار فكما لا يقال فى امكان معرفة ما ذكر غنى عن الطبيب فكذا لا يقال فى امكان معرفة التكاليف واحوال الافعال بتامل العقل فيها غنى عن المبعوث كيف والنبي لا يعلم ما لا يعلم الا من جهة الله سبحانه بخلاف الطبيب اذ يمكن التوصل الى جميع ما يعلمه بمجرد الفكر والتجربة فاذا لم يكن هو مستغنى عنه كان النبي اولى بذلك وفيما تقدم من تقرير مذهب الحكماء فى اثبات النبوة وحسب التكليف - تتمه هذا الكلام -

السادس المعجزة ممتعة لانها خرق للعادة وتجويزه سفسطه فلا يثبت النبوة والجواب ان خرق العادات ليس اعجب من اول خلق السموات والارض وما بينهما والجزم بعدم وقوع الخرق فى بعض المواد لا ينافى امكانه فى نفسه على ان خرق العادة من الانبياء والاولياء عادة مستمرة يوجد فى كل عصر واوان فلا يمكن للعاقل المنصف انكاره بل نقول ان المعجزة عندنا ما يقصد به تصديق مدعى الرسالة وان لم يكن خارقا للعادة اقول وفيه نظر لانه ينافى مامر فى شرائط المعجزة من ان خرق العادة شرط فيها ولانه لولا ذلك لكانت المعجزة غير دالة على الصدق

كالا مور المعتادة فافهم

السابع ظهور المعجزات لا يدل على الصدق لا احتمال كونه من فعله لا من فعل الله لكونه ساحرا و قد اجمعتم على حقيقته وتأثيره في امر غريبة او بطلمس اختص هو بمعرفته والجواب ان التجاوزات العقلية لاتنا في العلم العادى كما فى المحسوسات فانا نجزم بان حصول الجسم المعين لا يمتنع فرض عدمه بل له مع الجزم بحصوله جزما مطابقا للواقع ثابتا لا يتطرق اليه شبهة للحس الشاهد به شهادة موثوقا بها والعادة احد طرق العلم كالحس فجاز ان يجزم كجزم الحس بشئى من جهة العادة مع امكان نقيضه فى نفسه وايضا قديين فى موضعه ان لا موثر فى الوجود الا الله فالمعجزة لا يكون الا فعلا له لا للمدعى والسحر ونحوه ان لم يبلغ حدا لا عجاز الذى هو كفتلق البحر و احياء الموتى و ابراء الاكمه و الابرص فظاهرا نه لا يلبس السحر بالمعجزة فلا اشكال وان بلغ حد الاعجاز فاما ان يكون بدون دعوى النبوة والتحدى فظاهر ايضا انه لا التباس او يكون مع ادعاء هما وحينئذ فلا بد من احد الا مرين ان لا يخلقه الله سبحانه على يده او ان يقدر غيره على معارضته والا كان تصديقا للكاذب وهو محال على الله تعالى لكونه كذبا .

الثامن العلم بحصول المعجز لا يمكن لمن يشاهده الا بالتواتر وهو لا يفيد العلم فلا يحصل العلم بنبوة احد لمن لم يشاهد معجزته وانما لا يفيد التواتر العلم لجواز الكذب على كل واحد من اهل التواتر فكذا يجوز الكذب على الكل اذ ليس كذب الكل الا كذب كل واحد والجواب منع مساوات حكم الكل من حيث هو كل لحكم كل واحد لما يرى من قوة العشرة على تحريك مالا يقوى عليه كل احد .

التاسع قالوا اتبعنا الشرايع فوجدناها مشتملة وعلى ما لا يوافق العقل والحكمة فعلمنا انها ليست من عند الله وذلك كما باحة ذبح الحيوان و ايلامه لمنفعة الاكل وغيره و ايجاب تحمل الجوع و العطش فى ايام معينة والمنع عن الملاذاتى بها صلاح البدن و تكليف الافعال الشاقة و طى البوادرى لزيارة بعض المواضع و الوقوف ببعض و السعى فى بعض و الطواف ببعض مع تماثلها و مضاهاة

المجانين والصبيان في التعرى وكشف الراس والرمى لالى مرمى وتقبييل حجر لا
مزية له على سائر الاحجار وكتحريم النظر الى الحررة الشهواء دون الامة
الحسنة والجواب بعد تسليم حكم العقل بالحسن والقبح ووجوب الغرض في افعاله
تعالى ان غايته عدم الوقوف على الحكمة في تلك الصور المذكورة ولا يلزم منه عدمها
في نفس الامر ولعل هناك مصلحة استأثر الله سبحانه بالعلم بها وقد بينا من قبل ان وراء
العقل طورا اخر يفتح فيه عين اخرى يبصر بها الغيب وما سيكون وامور اخرى
العقل معزول عنها كعزل قوة الحس عن مدركات التميز وساوردلهذا زيادة
تحقيق في اول المسلك الثانى ان شاء الله تعالى

المسلك الثانى فى اثبات نبوة خاتم الانبياء محمد

المصطفى صلى الله تعالى عليه واله وسلم

اعلم ان من الامور مالها خواص لا يدور بصر العقل حوالها اصلا بل يكاد
العقل يكذبها ويقضى استحالتها فلنقم البرهان على امكان تلك الامور بل على
وجودها فنقول ان وزن دانق من الافيون سم قاتل لانه يجمد الدم فى العروق
لفرط برودته والذى يدعى علم الطبية يزعم ان ما يبرد من المركبات انما يبرد
بعنصرى الماء والتراب فهما العنصران الباردان ومعلوم ان اوطالا من الماء
والتراب لا يبلغ تبريدهما فى الباطن الى هذا الحد فلو اخبر طبيعى بهذا ولم يجز
به لقال هذا محال والذليل على استحالته ان فيه نارية وهوائية والهوائية والنارية لا
تزيده برودة فلو يقدر الكل ماء او ترابا لا يوجب هذا الافراط فى التبريد واذا
انضم اليه حاران فاولى بان لا يوجب ويقدر هذا برهانا واكثر برهين الفلاسفة
فى الطبيعيات والا لهيات مبنى على هذا الجنس فانهم تصوروا الامور على قدر ما
وجدوه وعقلوه ومالم يعقلوه قدروا استحالته وكذلك من لم يكن بالرويا
الصادقه مالموا فادعى مدعى انه عند زوال الحواس يعلم الغيب لا نكره
المتصرفون بمثل هذه العقول ولو قيل لواحد هل يجوز ان يكون فى الدنيا شئ

هو مقدار حبة يوضع في بلدة يا كل البلدة بجملتها ثم يأكل نفسه فلا يبقى شئ من البلدة وما فيها ولا يبقى هو في نفسه لقال هذا محال وهو من جملة الخرافات وهذه جهالته النار وينكرها من لم ير النار اذا سمعها واكثر انكار احكام الشرائع وعجائب الأخرى من هذا القبيل فنقول للطبيعي قد اضطرت الى ان تقول في الافيون خاصية في التبريد ليس على قياس المعقول بالطبيعة فلم لا يجوز ان يكون في الاوضاع الشرعية من الخواص في مداواة القلوب وتصفيتها مالا يدرك بالحكمة العقلية بل لا يبصر ذلك الا بعين النبوة وقد اعترفوا بخواص هي اعجب من هذا فمما اورده في كتبهم وهي من الخواص العجيبة المجربة في معالجة الحامل التي عسر عليها الطلق هذا (١) الشكل يكتب على خرقتين لم يصبهما ماء وتضعهما تحت قدميها وتنظر اليهما الحامل بعينها فيسرى الولد الى الخروج في الحال وقد اقرؤا امكان ذلك واوردوه في عجائب الخواص وهو شكل فيه تسعة بيوت يرقم فيها رقوم مخصوصة يكون ما في جدول واحد خمسة عشر مرة في طول الشكل او عرضه على التاريب فليت شعري من يصدق ذلك لم لم يسع عقله للتصديق بان تقدير صلوة الصبح بركتين والظهر باربع والمغرب بثلاث هي الخواص غير معقولة بنظر الحكمة وسببها اختلاف هذه الاوقات وانما تدرك هذه الخواص بنور النبوة والعجب اننا لو غيرنا العبارة الى عبارة المنجمين لا عترفوا باختلاف هذه الاوقات ورتبوا له حججا فنقول اليس يختلف الحكم في الطالع بان تكون الشمس في وسط السماء او في الطالع او في الغارب قالوا بلى

١. لم تكن هذه الاشكال موجودة في هذه النسخة ونقلت من نسخة كنديان

و ج ح
ط ه ا
ب ز و

٤ ٩ ٢
٣ ٥ ٤
٨ ١ ٦

٢ ٤ ٦
٩ ٥ ١
٣ ٣ ٨

وايضا توجد هذه الاشكال في المنقذ من الضلال للغزالي مع اختلاف يسير وهو هذا :

ب ط د
ز ه ج
و ا ح

حتى بنوا على هذا تقويما تهم واختلاف المطالع وتفاوت الأجال والا اعمار ولا فرق بين الزوال وبين كون الشمس في وسط السماء ولا بين المغرب وبين كون الشمس في الغارب فهل لتصديقه سبب الا انه سمعه بعبارة منجم جرب كذبه مائة مرة فلا يزال يعاود تصديقه حتى لو قال المنجم اذا كانت الشمس في وسط السماء ونظر اليه الكواكب الفلاني فلبست ثوبا جديدا في ذلك الوقت قتلت في ذلك الثواب فانه لا يلبس الثوب في ذلك الوقت وربما يقاسى فيه البرد الشديد فليت شعري من يسع عقله بقبول هذه البدايع ويضطر الى الاعتراف بانها خواص معرفتها معجزة بعض الانبياء كيف ينكر مثل ذلك فيما يسمعه من قول بنى صادق مويد بالمعجزات لم يعرف قط بالكذب ولم لا يسع الامكان لهذه الخواص في اعداد الركعات ورمى الجمار وعددار كان الحج وسائر تعبدات الشرع ولم نجد بينها وبين خواص الادوية والنجوم فرقا اصلا فان قال قد جربت شيئا من النجوم وشيئا من الطب فوجدت بعضه صادقا فتمكن في نفسى تصديقه وسقط عن قلبى استبعاده ونفرتة وهذا لم اجره فبم اعلم وجوده وتحققه وان اقررت بامكانه فاقول انك لا تقتصر على تصديق ماجر بته بل سمعت اخبار المجربين وقلد تهم فيه فاسمع اقوال الاولياء فقد جربوا وشاهدوا الحق في جميع ما ورد به الشرع واسلك سبيلهم تدرك المشاهدة بعض ذلك على انى اقول وان لم تجرب فيقضى عقلك بوجوب التصديق والاتباع قطعاً فانا لو فرضنا رجلا بلغ وعقل ولم يجرب المرض وله والد مشفق حاذق بالطب يسمع دعواه معرفة الطب منذ عقل فجعل له والده دواء وقال هذا يصلح لمرضك ويشفيك من سقمك فما ذا يقتضيه عقله وان كان الدواء مرّاً كريبه المذاق ان يتناول او ان يكذب ويقول انى لا اعقل مناسبة هذا الدواء لتحصيل الشفاء ولم اجره فلا شك انك تستخفه ان فعل ذلك فان قلت فبم اعرف شفقة النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم ومعرفة بهذا الطب فاقول فبم عرفت شفقة ابيك فان ذلك نيس امرا محسوسا بل عرفتها بقرائن احواله وشواهد اعماله في مصادره وموارده علما ضروريا لا يتمارى فيه ومن نظر في اقوال رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم وما ورد من الاخبار

فى اهتمامه بارشاد الخلق وتلطفه فى حق الناس بانواع الرفق واللطف الى تهذيب الاخلاق واصلاح ذات البين حصل له علم ضرورى بان شفقتة على امته اعظم من شفقة الوالد على ولده واذا نظر الى اعاجيب ما ظهر عليه من الافعال والى عجائب الغيب التى اخبر عنها فى القران على لسانه وفى الاخبار والى ما ذكره فى اختصار الزمان وظهور ذلك كما ذكره علم علما ضروريا انه بلغ الطور الذى وراء العقل وانفتحت له العين التى ينكشف بها الغيب والخواص والامور التى لا يدركها العقل وهذا هو منهاج تحصيل العلم الضرورى بصدق النبى صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم فجزب وتامل القران وطالع الاخبار تعرف ذلك بالعيان كذا ذكره الامام الغزالي رحمه الله تعالى وقال ايضا فان وقع لك الشك فى شخص معين انه نبى ام لا فلا يحصل اليقين الا بمعرفة احواله اما بالمشاهدة او بالتواتر والتسامع فانك اذا عرفت الطب او الفقه يمكنك ان تعرف الفقهاء والا طباء بمشاهدة احوالهم وسماع اقوالهم وان لم تشاهدهم فلا تعجز عن معرفة كون الشافعى فقيها ودون جالينوس طبيا معرفة بالحقيقة لا بالتقليد بل بان تتعلم شيئا من الطب والفقه وتطالع كتبهما وتصانيفهما فيحصل لك علم ضرورى بحالهما فكذلك اذا فهمت معنى النبوة فاكثر النظر فى القران والاخبار يحصل لك العلم الضرورى بكونه صلى الله تعالى عليه واله وسلم على اعلى درجات النبوة واعضد ذلك بتجربة ما قاله فى العبادات وتأثيرها فى تصفية القلوب وكيف صدق فى قوله "من عمل بما علم ورثه الله ما لم يعلم" وكيف صدق فى قوله "من اعان ظالما سلطه الله تعالى عليه" وكيف صدق فى قوله "من اصبح وهمه هم واحد كفاه الله هموم الدنيا والاخرة" فاذا جرّبت ذلك فى الف والفين والاف حصل لك علم ضرورى لاتتمارى فيه فمن هذا الطريق اطلب اليقين بالنبوة وهو الايمان القوي العلمى واما الذوقى فهو كالمشاهدة والاخذ بالعدد لا توجد الا فى طريق الصوفية، هذا

وجوه اثبات النبوة

والعلماء اوردوا فى اثبات نبوة صلى الله تعالى عليه واله وسلم وجوها. الاول

وهو العمدة عند جمهور العلماء انه صلى الله تعالى عليه واله وسلم ادعى النبوة وظهر المعجزة على يده - اما الاولى فمتواترة تواترا الحققة بالعيان والمشاهدة فلا مجال للا نكار . واما الثانية فمعجزة القران وغيره اما ان القران معجز فلا نه تحدى به ولم يعارض فكان معجزا اما انه تحدى به فقد تواتر بحيث لم يبق فيه شبهة وايات التحدى فى القران كثيرة كقوله تعالى فليأتوا بحديث مثله و قوله عز وجل فاتوا بسورة من مثله واما انه لم يعارض فلا نه لما يعارض فلا نه لما تحدى به ؛ دعا الى الاتيان بسورة من مثله مصاقع البلغاء والفصحاء من عرب العرباء مع كثرتهم من حصى البطحاء و احرض الناس على اشاعة ما يبطل دعواه واشتهارهم بغاية العصبية والحمية الجاهلية وتها لكهم على المباهات والمبارات عجزوا عن الاتيان باقصر سورة من مثله حتى اثروا المقارعة بالسيف على المعارضة بالحرف فلو قدروا اعلى المعارضة لعارضوا ولو عارضوا التواتر الينا لتوافر الدواعى على نقله كقتل الخطيب على المنبر والعلم بجميع ذلك قطعى كسائر العاديات واما ان ما تحدى به ولم يعارض يكون معجزا فلما مر من بيان حقيقة المعجزة وشرائطها وفيه نظر اما اولافيان يقال لعل التحدى لم يبلغ من هو قادر على المعارضة او لعله تركها مواضعة على المدعى ومو اطاة معه فى اعلاء كلمة فينال من دولته حظا وافرا واما ثانيا فلعلمهم استهانوا به أولا وظنوا ان دعوته مما لا يتم وخافوه اخر الشدة شو كته و كثرة اتباعه او شغلهم ما يحتاجون اليه فى تقويم معيشتهم عن المعارضة واما ثالثا فلعله عورض ولم يظهر لمانع او ظهر ثم اخفاه اصحابه واتباعه عند استيلائهم وطمسوا اثاره حتى انمحي بالكلية والجواب الاجمالى مامر اولامن ان التجاوزات العقلية لاتنافى العلم العادى كما فى المحسوسات والفصيلى اما عن الاول وهو قوله لعل التحدى لم يبلغ من هو قادر على المعارضة فبان يقال ان مدعى النبوة لما اتى بامر يصدق دعواه وتحدى به عجزوا عن معارضته علم بالضرورة العادية انه صادق فى دعواه والقدرح فيه سفسطة ظاهرة واما عن الثانى وهو قوله لعلمهم استهانوا به أولا وخافوا اخر افلانه يعلم بالضرورة العادية والوجدانية المبادرة الى معارضة من يدعى الانفراد بامر جليل فيه التفوق على اهل زمانه واستتباعهم

والحكم عليهم في انفسهم وما لهم ويعلم بالضرورة ايضا عدم الاعراض عنها في مثل هذا الامر بحيث لا يتوجه نحو الاتيان بالمعارضة اصلا وحينئذ فدلالته من جهة الصرفة واضحة فان النفوس اذا كانت مجبولة على ذلك كان صرفها منها امرا خارقا للعادة دالا على صدق المدعى وان كان ماتي به مقدور الغيره. واما عن الثالث وهو قوله لعله عورض ولم يظهر لمانع، فكما علم بالعادة وجوب المعارضة على تقدير القدرة علم بالعادة ايضا وجوب اظهارها اذبه يتم المقصود، واحتمال المانع للبعض في بعض الاوقات والا ماكن لا يوجب احتماله في جميع الاوقات والا ماكن بل هذا معلوم الانتفاء بالضرورة العادية فلو وقعت معارضته لا استحال عادة اخفائها، لامن اصحاب المدعى عند استيلائهم ولا من غيرهم فاندفعت الاحتمالات كلها وثبتت الدلالة القطعية

وجوه اعجاز القرآن

واعلم ان المتكلمين اختلفوا في وجه اعجاز القرآن ف قيل هو ما اشتمل عليه من النظم الغريب والا سلوب العجيب المخالف لنظم العرب ونثرهم في اوائل السور والقصص واواخرها وفوق اصل الآتى التى هى بمنزلة الاسجاع فى كلامهم فان هذه الامور وقعت فى القرآن على وجه لم يعهد فى كلامهم وكانوا عاجزين عنه وعليه بعض المعتزلة وقال اهل العربية والجاحظ من المعتزلة كونه فى الدرجة العالية من البلاغة التى لم يعهد مثلها فى تراكيبهم وتقاصر عنها درجات بلاغتهم فمن كان اعرف بالعربية وفنون بلاغتها كان اعرف باعجاز القرآن وقال القاضى الباقلانى هو مجموع الامرين النظم الغريب وكونه فى الدرجة العالية من البلاغة وقيل هو اخباره عن الغيب نحو وهم من بعد عليهم سيغلبون فى بضع سنين اخبر عن غلبة الروم على الفرس فيما بين الثلث الى التسع وقد وقع كما اخبر وقيل وجه اعجازه عدم اختلافه وتناقضه مع ما فيه من الطول والامتداد وتمسكوا فى ذلك بقوله عز وجل وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا وقيل اعجازه بالصرفة على معنى ان العرب كانت قادرة على كلام مثل القرآن قبل

البعثة لكن الله صرفهم عن معارضته واختلفوا في كيفية الصرف وقال الاستاذ (١) منا والنظام من المعتزلة صرفهم مع قدرتهم وذلك بان صرف دواعيهم اليها مع كونهم مجبولين عليها خصوصاً عند توفرها لا سباب الداعية في حقهم كالتصديق بالعجز والا استنزال عن الرياضات والتكليف بالانقياد وقال المرتضى من الشيعة بل سابههم العلوم التي تحتاج اليها في المعارضه

شبه القادحين في اعجاز القران

اما الاول فلان وجه الاعجاز يجب ان يكون بينا لمن يستدل به عليه واختلافكم فيه دليل خفائه والجواب ان الاختلاف والخفاء وان وقع في احاد الوجود فلا اختلاف ولا خفاء في ان مجموع القران بما فيه من البلاغة والنظم الغريب والاخبار عن الغيب واشتماله على الحكمة البالغة علما وعملا وعلى غيرها مما ذكر في وجه الاعجاز معجزاً وانما وقع الخلاف في الوجه لا اختلاف الانظار ومبلغ اصحابها من العلم وليس اذا لم يكن معجزاً بالنظر الى احد ما بينا بعينه يلزم ان لا يكون معجزاً بجملتها ولا بواحد منها لا بعينه وكأين من بليغ يقدر على النظم او النثر ولا يقدر على الاخر ولا يلزم من القدرة على احد هما القدرة على الجميع وليس كل ما ثبت لكل واحد يثبت للكل من حيث هو كل اقول لا يخفى ان هذا الجواب يقتضى ان يكون مجموع القران فقط معجزاً لا مقداراً قصر سورة منه معجزاً ايضاً وهو خلاف الواقع لان مقداراً قصر سورة منه معجزاً ايضاً كما مر . فان قلت مراد المجيب ان مجموع القران معجزاً بمجموع ما ذكر من وجوه الاعجاز وكل سورة منه معجزاً باحدى هذه الوجوه لا على التعيين قلت فحينئذ لا نيدفع ما قال المعترض من ان وجه الاعجاز وجب ان يكون بينا وعلى هذا التقدير يبقى وجه الاعجاز غير بين كما ترى - اللهم الا ان يمنع وجوب كونه بينا ومتعيناً ولا ولا يخفى على المنصف المتامل ان هذا المنع مكابرة صريحة فافهم .

واما الثانى فلان الصحابة اختلفوا فى بعض القران حتى قال ابن مسعود رضى الله تعالى عنه بان الفاتحة والمعوذتين ليست من القران مع انها اشهر سورها فلو كانت بلاغتها بلغت حدا لا عجزا لتميزت به عن غير القران ولم يختلفوا والجواب ان اختلاف الصحابة فى بعض سور القران المروية بالاحاد المفيدة لفظن ومجموع القران منقول بالتواتر المفيد لليقين فثلك الاحاد مما لا يلتفت اليه اصلا على انا نقول انهم لم يختلفوا فى نزوله على محمد صلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه وسلم ولا فى بلوغه فى البلاغة حدا لا عجزا بل فى مجرد كونه من القران وذلك لا يضرنا فيما نحن بصدده .

واما الثالث فلانهم كانوا عند جمع القران اذا اتى الواحد الغبر المشهور عندهم بالعدالة بالآية لم يضعوها فى المصحف الابينة او يمين ولو كانت بلاغتها واصلة حدا لا عجزا لعرفوها بذلك ولم يحتجوا جوا فى وضعها فى المصحف الى عدالة ولا الى بيّنة او يمين والجواب ان اختلافهم فى موضعها من القران وفى التقديم والتاخير فيما بينها وبين الآيات الاخر لا فى كونها من القران فان النبى عليه الصلوة والسلام كان يواظب على قرآته فما اتى به الواحد كان متيقنا كونه من القران وطلب البيّنة والتحليف انما كان لاجل الترتيب فلا اشكال وايضا عدم اعجاز الآية والأيتين لا يضرنا فان المعجز منه لا بد ان يكون مقدارا قصر سورة منه واقلها ثلث آيات -

واما الرابع فلكل صناعة حد معين يقف عنده ولا يتجاوزه ولا بد فى كل زمان من فائق قد فاق ابناءها ففعل محمدا صلى الله تعالى عليه واله وسلم كان افصح اهل عصره فاتى بكلام عجز عن مثله اهل زمانه ولو كان ذلك معجرا لكان ما اتى به كل من فاق اقرانه من صناعه معجزا او هو ضرورى البطلان والجواب ان المعجز يظهر فى كل زمان من جنس ما يغلب على اهله ويبلغون فيه الغاية القسوى والدرجة العليا فيقفون فيه عليه الحد المعتاد الذى يمكن للبشر ان يصل اليه حتى اذا شاهدوا ما هو خارج عن حد هذه الصناعة علموا انه من عند الله سبحانه ولو لم يكن الحال كذلك لم يتحقق عند القوم معجزة النبى وذلك كالسحر فى زمن

موسى عليه السلام ولما علم السحرة ان حدا لسحر تخييل وتوهيم لما لا ثبوت له حقيقة ثم راوا ان العصا انقلب ثعبانا تلقف سحرهم الذي كانوا يافكونه علموا انه خارج من السحر وطوق البشر فامنوا به واما فرعون فانه لقصوره في هذه الصناعة ظن انه كبير هم الذي يعلمهم السحر وكذ الطب في زمن عيسى عليه السلام فانه كان غالبا في اهله وكانوا قدتنا هو فيه فيعلم الكامل في بابه واعلمهم ان احياء الموتى وبراء الاكهم والابرض خارج عن حدا لصناعة الطبية بل هو من عبادة الله تعالى بلغت في عهد رسول الله صلى الله عليه واله وسلم الى الدرجة العلية فكان بها افتخارهم فيما بينهم حتى علقوا القصائد السبع بباب الكعبة تحفة من روضتها وكتب السير تشهد بذلك فلما اتى صلى الله تعالى عليه وعلى اله وسلم بما عجز عن مثله جميع البلغاء مع ما ظهر عنهم من كثرة المنازعة والتشاجر وانكار نبوته حتى ان منهم من مات على كفره ومنهم من اسلم لوضوح نبوته عنده ومنهم من اسلم على نفرة منه للاسلام ملتزما للذل والهوان كالمنافقين ومنهم من اشتغل بالمعارضة الركيكة التي هي ضحكة للعقلاء كعمار ضتهم بهذا الكلام : و الزارات زرعا فالحا صدمات حصدا والطاحنات طحنا والطابخات طبخا فالأكلات اكلا ومنهم من عدل الى المحاربة والقتال وتعريض النفس والمال والاهل للدمار والهالك فعلم ان ذلك من عند الله سبحانه قطعا .

واما الخامسة فلان فيه اختلافا لفظا ومعنى وقد نفى عنه الاختلاف حيث قال ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا . اما الاختلاف في اللفظ فمثل كالصوف المنفوش بدل كالعهن المنفوش ومثل فامضوا الى ذكر الله بدل فاسعوا ومثل فكانت كالحجارة ومثل ضربت عليهم المسكنة والذلة بدل الدلة والمسكنة واما الاختلاف في المعنى فنحو ربنا باعدين أسفارنا بصيغة الامر ونداء والثاني خبرو نحوهل يستطيع ربك بالغيبة وضم الباء وهل تستطيع ربك بالخطاب والاول استخبار عن الرب والثاني عن حال عيسى عليها السلام والجواب ان اختلاف المنقول احادا مردود وما نقل منه تواتر فهو مما قال

الرسول صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم انزل القرآن على سبعة احرف كلها شاف كاف فلا يكان الاختلاف اللفظي والمعنوي قادحا في اعجازه .

واما السادس فان فيه لحنا وتكرار ابلا فائدة اما اللحن فكقوله عز وجل ان هذان لساحران اما التكرار فلفظا كما في سورة الرحمن ومعنى كقصته موسى وعيسى عليهما السلام والجواب اما عن لاول ان هذان لساحران قيل غلط من الكاتب فان ابا عمر وقرئان هذين وقيل ابقاء الالف في التشية والاسماء الستة في الاحوال لغة لقبائل من العتب نحو قوله

ان اباها و ابا اباها : لقد بلغا في المجد غايتها

وعلى هذه البلغة قرأ اهل المدينة والعراق في هذه المواضع وقيل هو محصور بلفظ هذا فانه زيد فيه النون ولم يغير الالف ابقاء على حالها كما فعل مثل ذلك في الذين حيث زيد فيه النون على لفظ الذي وبقى الياء على حالها في الاحوال الثلث وذلك لانه خولف بين تشية المعرب والمبنى كلمة هذا وبين جمع المعرب والمبنى في كلمة الذي وقيل ضمير الشأن مقدر ههنا واللام حينئذ تكون داخلية في حيز المبتداء ولا باس به وان كان قليلا واما الجواب عن الثاني فلان لتكرار فوائدها زيادة التقرير والمبالغة في تحقيق المعنى ومنها اظهار القدرة على ايراد المعنى الواحد بعبارات مختلفة في الایجاز والاطناب وهو احدى شعب البلاغة ومنها ان القصة الواحدة قد يشتمل على امور كثيرة فيذكر تارة ويقصد بها بعض تلك الامور قصد اوبعضها تبعا ويعكس اخرى واما سائر المعجزات فكان شقاق القمر وكلام الجمادات وحركتها ليه وكلام الحيوانات العجم والاشباع المخلوق الكثير من الطعام القليل ونبوع الماء من بين اصابعه واخباره بالغيب وامثال ذلك كثيرة لا يمكن احصائها فهذه المعجزات وان لم يتواتر كل واحد منها فالقدر المشترك بينها وهو ثبوت المعجزة متواتر بلا شبهة كشجاعة على وسخاوة حاتم وهو كاف لنا في اثبات النبوة.

الوجه الثاني في وجوه اثبات نبوته صلى الله عليه واله وسلم وقد ارتضاه

الجاحظ من المعتزلة والغزالي منا كما يفهم من كلامه المذكور سابقا الاستدلال باحواله قبل النبوه وحال الدعوة وبعد تما مها واخلاقه العظيمة واحكامه الحكيمة واقدامه حيث يحجم الابطال وذلك انه عليه الصلوة والسلام لم يكذب قط لا فى مهمات الدين ولا فى مهمات الدنيا ولو كذب مرة لا جتهد اعداؤه فى تشهيره ولم يقدم على فعل قبيح لا قبل النبوة ولا بعدها وكان فى غاية الفصاحة كما قال اوتيت حوامع الكلم مع كونه اميا وقد تحمل فى تبليغ الرسالة انواع المشقات حتى قال ما اودى نبي مثل ما اوديت وصبر عليها بلا فتور فى عزيمته ولما استولى على الاعداء وبلغ الرتبة الرفيعة فى نفاذ امره فى الاموال والانفس لم يتغير عما كان عليه بل بقى من اول عمره الى اخره على طريقة واحدة مرضية وكان فى غاية الشفقة على امته حتى خوطب بقوله فلا تذهب نفسك عليهم حسرات وقوله فاعلمك باخع نفسك على اثارهم وفى غاية السخاوة حتى عوتب بقوله ولا تبسطها كل البسط وكان عديم الالتفات الى زخارف الدنيا حتى ان قريشا عرضوا عليه المال والزوجة والرياسة حتى يترك دعواه فلم يلتفت اليه وكان مع الفقراء والمساكين فى غاية التواضع ومع الاغنياء وارباب الثروة فى غاية الترفع وانه عليه الصلوة والسلام لم يفر قط من اعدائه وان عظم الخوف مثل يوم احد ويوم الاحزاب وذلك يدل على قوة قلبه وشهامة جنانه ولو لا ثقته بعصمة الله تعالى اياه كما وعده بقوله والله يعصمك من الناس لا تمتنع ذلك

عادة ولم يتلون حاله عليه السلام وقد تلونت به الاحوال فمن تتبعتها وامثا لها علم ان كل واحد منها وان لم يدل على النبوة لان امتياز شخص بمزيد فضل عن سائر الاشخاص لا يدل على كونه نبيا لكن مجموعها لا يحصل الا للانبياء عليهم السلام قطعا فاجتماع هذه الامور فى ذاته عليه الصلوة والسلام من اعظم الدلائل على كونه نبيا.

الوجه الثالث من تلك الوجوه وقد اختاره الامام الرازى انه عليه الصلوة والسلام ادعى بين قوم لا كتاب لهم ولا حكمة فيهم بل كانوا معرضين عن الحق معتكفين اما على عبارة الاوثان كمشركى العرب و ام على دين التشبيه و ضعة

التزوير و تزويج الاكاذيب المفتريات كاليهود و اما على عبادة الالهين و نكاح
المحارم كالمجوس و اما على القول بالاب و الابن و التثليث كالنصارى. انى
بعثت من عند الله تعالى بالكتاب المنير و الحكمة الباهرة لاتمم مكارم الاخلاق
و اكمل الناس فى قوتهم العلمية بالعقائد الحققة و العملية بالاعمال الصالحة و
انور العالم بالايمان و العمل الصالح ففعل ذلك و اظهر دينه على الاديان كلها كما
وعده سبحانه فاضمحت تلك الاديان الزائفة و زالت المقالة الفاسدة و اشرقت
شموس التوحيد و اقمار التنزيه فى اقطار الافاق و لامعنى للنبوة الا ذلك فان النبى
هو الذى يكمل النفوس البشرية و يعالج الامراض القلبية التى هى غالبية على اكثر
النفوس فلا بد لهم من طبيب يعالجهم و لما كان تائير دعوة محمد صلى الله تعالى
عليه و على اله و اصحابه و بارك و سلم فى علاج القلوب المريضة و ازالة
ظلماتها اكمل و اتم و جب القطع بكونه نبيا هو افضل الانبياء و الرسل، قال
الامام (١) فى المطالب العالية و هذا برهان ظاهر من برهان اللم. فانا بحثنا عن
حقيقة النبوة و بينا ان تلك الماهية لم تحصل لاحد كما حصلت له عليه الصلوة و
السلام فيكون افضل مما عداه. و اما اثباتها بالمعجزة فمن برهان الان و هذا
الوجه قريب من طريق الحكماء فى اثبات النبوة اذ حاصله ان الناس فى معاشهم و
معادهم يحتاجون الى مؤيد من عند الله يضع لهم قانونا يسعدهم فى الدارين
تمت المقالة الاولى.

المقالة الثانية فى ذم الفلاسفة و بيان الضرر الحاصل من ممارسة علومهم و

مطالعة كتبهم.



”اور اگر ان عجیب افعال پر غور کریں جو آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے اور غیب کے عجائب پر غور کرے جن کے متعلق قرآن مجید میں آپ ﷺ کی زبان کے ذریعے خبر دی گئی، اور ان خبروں پر غور کریں جو آخری زمانے کے متعلق دی گئی ہیں اور جس طرح آپ ﷺ نے ذکر کیا اسی طرح ان کے وقوع پر غور کریں تو اسے لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ آپ ﷺ اس درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں جو عقل سے ماوراء ہے، اور اس میں وہ نظر کھل جاتی ہے جس سے غیب اور وہ خواص اور امور منکشف ہو جاتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی اور نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم کے صدق کے علم ضروری کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے پس تم تجربہ کرو اور قرآن کریم میں غور کرو۔ اور اخبار کا مطالعہ کرو تو تم کو ظاہری طور پر معلوم ہو جائے گا۔“

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

ترجمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ اور ان (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایسی خاص کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی جس میں ذرا بھی کجی (پچیدگی) نہیں رکھی بل کہ یہ سیدھی اور سلیس ہے تاکہ وہ لوگوں کو سخت عذاب سے ڈرائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا ہے اور مومنوں کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے (اس بات کی) خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) اچھا بدلہ یعنی بہشت ہے پس اس کے ذریعے اپنے بندوں کے لئے ان کے دین کو کامل کر دیا اور ان پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ان کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر انبیاء و رسل کا سلسلہ ختم کر دیا، جو مخلوقات کی طرف واضح آیات اور بڑے بڑے معجزات کے ساتھ بھیجے جاتے رہے تاکہ لوگ اپنے آپ کو ان انبیاء علیہم السلام کے بالکل حوالہ کر دیں، جس طرح اندھے اپنے آپ کو رہنماؤں کے اور متحیر مریض اپنے آپ کو مشفق اطباء کے حوالے کر دیتے ہیں، اور ان سے وہ فوائد و

منافع حاصل کرتے ہیں جن سے عقل حیران ہے۔

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور تمام رسولوں سے معزز اور ملت کے اعتبار سے سب سے معتدل اور دین و شرع کے اعتبار سے سب سے زیادہ درست بنایا اور جن کے اعتدالِ حال اور مرتبہ کمال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قول
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ۔

یعنی (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ حد سے بڑھی اور آپ نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے) کے ذریعہ خبر دی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام مخلوقات کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی تزیینہ اور توحید کی دعوت دیں، ان کو ان کی قوتِ علمیہ و عملیہ میں کامل کریں اور ان کے بیمار دلوں کا علاج کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی رحمتِ کاملہ نازل فرمائے جس کے آپ اہل ہیں، اور آپ کے آل و اصحاب پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں اور تاریکی کے چراغ ہیں جب تک کہ روشنی اور تاریکیاں ایک دوسرے کے بعد آئیں اور بہت زیادہ سلامتی نازل فرمائے۔ آمین

بعد حمد و صلوة کے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ (جو ولی اور مددگار ہے، اس) کی رحمت کا محتاج احمد بن عبد الاحد بن زین العابدین (اللہ سبحانہ ان کو نامناسب اور عیب دار کرنے والے امور سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ جب میں نے اس زمانے میں دیکھا (کہ اصل نبوت کے متعلق لوگوں کے اعتقاد میں پھر ایک شخص معین کی نبوت کے ثبوت اور تحقق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور پر عمل میں فتور آ گیا ہے) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا یہاں تک کہ ہمارے زمانے کے ایک جابر علم راں نے بہت سے علماء کو ناقابل ذکر سختیاں اور تکالیف پہنچائیں صرف اس لئے کہ وہ علماء شرعیہ اذکار کی پیروی اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھنے میں پختہ تھے۔ چنانچہ بہت سے علمائے اہل اسلام کو قتل کر دیا گیا اور نبوت یہاں تک پہنچی کہ اس نے اپنی مجلس میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کر دی اور جس کا یہ اسم شریف رکھا گیا تھا اس کے نام کو بدل کر دوسرا نام رکھ دیا، گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا، حال آں کہ یہ، ہندوستان میں بڑے شعائر اسلام میں سے ہے۔

مساجد اور مسلمانوں کے مقابروں اور ان کر دیئے۔ (لیکن) کفار کی عبادت گاہوں اور ان کے رسوم، پوجا پاٹ کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔

مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دے دیں اور کفار کے رسوم اور ان کے مذاہب باطلہ رائج کئے، حتیٰ کہ کفار ہند کے احکام شائع کئے اور ان کو ان کی اصلی زبان (سنسکرت) سے فارسی زبان میں منتقل کیا، تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹادیں۔

جب میں نے جان لیا کہ شک اور انکار کا مرض وسیع ہو گیا ہے یہاں تک کہ علاج کرنے والے بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہو گئی ہے تو میں نے لوگوں کے افراد کے عقیدوں کی جستجو کی اور ان سے ان کے شبہات دریافت کئے اور ان کے راز ہائے دروں اور عقائد کی گریڈ کی تو ان کے فتور اعتقاد اور ضعف ایمان کی وجہ، عہد نبوت کی دوری، علم فلسفہ کی مشغولیت اور حکمائے ہند کی کتابوں کے سوا کوئی سبب نہ پایا۔

نیز میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا جنہوں نے علم فلسفہ پڑھا تھا اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہو کر فضل و فضیلت کے مدعی ہو گئے تھے اور انہوں نے لوگوں کو گم راہ کیا اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص کے لئے اس کے ثبوت میں خود بھی گم راہ ہوئے اور یہاں تک کہنے لگے کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ خلق کے ظاہری حالات کی اصلاح ہے اور عوام کی شہوات میں آزاد روی، باہمی نزاع اور اختلاف سے محفوظ رکھنا ہے اور اس کو نجات اخرویہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بل کہ اس کا تعلق صرف تہذیب اخلاق اور قلبی اعمال کے ان فضائل کی تحصیل سے ہے جنہیں حکمانے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اس کو کما حقہ بیان کیا ہے۔ پھر اپنے قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی کہ ان امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور منجیات کے حصہ کو نماز روزہ اور دیگر عبادات (جو فقہ میں بیان کی گئی ہیں) کا تقسیم یعنی مقابل ٹھہرایا ہے۔ اس لئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ (یعنی امام غزالی) حکماء سے اتفاق کرتے ہیں اور یہ کہ جس طرح عبادات بدنیہ ان (امام غزالی) کے نزدیک نجات دلانے والے نہیں ہیں اسی طرح حکماء کے نزدیک بھی نجات دلانے والے نہیں ہیں،

پھر کہا کہ جس شخص کو نبی کی دعوت پہنچی لیکن بعد عہد، اور آیات و معجزات کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ان نبی کی نبوت اس کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اس کے لئے نبی

پر ایمان لانا واجب نہیں ہے جیسا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے اس شخص کا حکم ہے جس کو دعوت نہ پہنچی ہو، ان دونوں میں فرق کرنا سیدہ زوری اور زردستی ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ حکمتِ ازلیہ اور عنایتِ الہیہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی مقتضی ہے تاکہ نفوسِ بشریہ کی تکمیل اور قلبی امراض کا علاج کریں۔ اور یہ اس کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا کہ وہ نافرمانوں کو ڈرانے والے اور فرمانبرداروں کی خوشخبری سنانے والے ہوں اور اخروی عذاب و ثواب کی خبر دینے والے ہوں، کیوں کہ ہر نفس پر اس کے خواہشات کی طرف شوق کو غالب کیا گیا اس لئے وہ معصیت اور ذائل اعمال کی تکمیل کو سببِ سعادت و نجات، دارین سمجھ کر متوجہ ہوتا ہے حال آں کہ نجاتِ اخروی اور سعادتِ ابدی ہی بعثت سے مطلوب ہے اس لئے کہ دنیا کی پونجی کم ہے، لیکن جہاں تک حکماء کا تعلق ہے انہوں نے جب اپنے باطل امور کو رائج کرنا چاہا تو اس کے ساتھ ان چیزوں کی آمیزش کر دی جو کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ کتابوں سے اور ان کے اقوال اور ان کے کامل متبعین کے اقوال سے چرائی تھیں۔ یعنی تہذیبِ اخلاق کا بیان، اور ان اعمالِ صالحہ کی تحصیل جو کہ باطن سے متعلق ہیں اور ان لوگوں نے اس کو ایک مستقل علم کی صورت میں تدوین کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو، اور امامِ محقق جزیہ الاسلام نے تو اس کو عبادات کی قسم صرف اس وجہ سے بنایا ہے کہ فقہانے اس کو کتبِ فقہ میں صرف تبعاً اور ضمنی طور پر بیان کیا ہے اور جیسا کہ بیان کرنا چاہئے تھا ویسا بیان نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان کی اصلی غرض ظاہر اعمال سے متعلق ہے اور یہ لوگ ظاہر پر حکم لگاتے ہیں قلوب اور باطن کو چیر کر نہیں دیکھتے بل کہ اس کو علمائے طریقت اور سلوک نے بیان کیا ہے، اس لئے امامِ غزالی نے اس شریعت کو جو ظاہر سے متعلق ہے اور طریقت کو جو باطن سے متعلق ہے جمع کر دیا۔ اور اپنی کتاب کو متعلق اور مقصد کے اعتبار سے تقسیم کیا اور اس قسم کا نام منجی ہی رکھا۔ گو عبادات میں انہوں نے ذکر کیا کہ یہ بھی منجی (نجات دلانے والے) ہیں۔ اس لئے کہ عبادات کی ادائیگی سے نجات کا ہونا فقہ سے معلوم ہوا۔ اور اس دوسری قسم کی نجات اس سے معلوم نہیں ہوتی، پس غور کرو۔ اور اگر اب بھی تمہیں شک باقی ہو تو ان کے اس کلام میں غور کرو جو میں نے اس رسالہ میں بیان کئے ہیں تاکہ تمہیں اس شبہ سے بالکل نجات مل جائے۔

بیز میں کہتا ہوں کہ تم نے جالینوس اور سیبویہ کو نہیں دیکھا۔ پھر کس طرح تم نے جانا کہ

جالینوس طبیب تھا اور سیبویہ نحوی تھا۔

اگر تم یہ جواب دو کہ میں نے علم طب کی حقیقت معلوم کی اور میں نے اس کتابوں اور تصانیف کا مطالعہ کیا اور اس کے اقوال سنے، تو دیکھا کہ وہ امراض کے علاج اور بیماریوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں۔ اس سے مجھے اس کی حالت کا علم ضروری حاصل ہوا۔ اسی طرح میں نے نحو کا علم حاصل کیا اور سیبویہ کی کتابیں دیکھیں اس کے اقوال سنے تو اس سے مجھے علم ضروری حاصل ہوا کہ وہ نحوی ہے۔

اسی طرح میں کہوں گا کہ جب تم نے نبوت کے معنی جان لیے تو قرآن اور احادیث میں بہت زیادہ غور کرو، اس سے تمہیں اس کا علم ضروری حاصل ہو جائے گا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں اور زمانہ کی دوری اس تصدیق میں خل نہیں ہے جس طرح سابق تصدیق میں خل نہیں ہے اس لئے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام اقوال و افعال، اعمال صالحہ و عقائد حقہ کے ذریعہ قوت علمیہ و عملیہ میں نفوس بشریہ کی تکمیل کی خبر دیتے ہیں اور بیمار دلوں کے علاج اور اس کی تارکیوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں، اور نبوت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں۔

باقی رہا پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والا جس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نہ آپ ﷺ کے اقوال سنے ہوں اور نہ آپ کے حالات معلوم ہوں تو اس کے لئے آپ کی نبوت کی تصدیق ممکن نہیں اور نہ اس کے لئے یہ آسانی ہے کہ آپ ﷺ کے بھیجے جانے کا اسے علم ہو، گویا انبیاء اس کے حق میں مبعوث نہیں کئے گئے اس لئے وہ معذور ہوگا اور آپ پر ایمان لانے کا مکلف نہ ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ”ہم عذاب کرنے والے نہیں یہاں تک کہ ہم رسول نہ بھیجیں۔“ جب میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میرے سینے میں جم گئی کہ میں ان کے لئے ایسی تقریر کروں جو ان کے شکوک دور کر دے، اور ان کے لئے ایسی بات لکھوں جو ان کے شبہ کو زائل کر دے کیوں کہ جب میں نے دیکھا کہ یہ میری ذات پر ایک حق واجب ہے اور ایک لازمی قرض ہے جو بغیر ادائیگی کے ساقط نہیں ہوتا تو میں نے ایک رسالہ کی تالیف کی اور اصل نبوت کا مطلب ثابت کرنے، پھر خاتم الرسل (علیہ من الصلوٰۃ افضلها ومن التیات اکملها) کے حق میں اس کے ثبوت و تحقیق اور منکرین اور اس کی نفی کرنے والوں کے شبہات کی تردید، اور فلسفہ کی مذمت اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے اس کے بیان کرنے کے

لئے ایک مقالہ دلائل و براہین کے ساتھ لکھا جو میں نے (اس) قوم کی کتابوں سے اخذ کئے اور اس پر اضافہ اور الحاق کیا، جو میرے در ماندہ دل پر، اللہ ملک جلیل کی مدد سے ظاہر ہوا۔ پس میں کہتا ہوں کہ یہ رسالہ ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مرتبہ ہے اور مقدمہ میں دو بحثیں ہیں۔

پہلی بحث نبوت کے معنی کی تحقیق میں

تم جان لو کہ متکلمین کے نزدیک نبی وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ ہم نے تم کو فلاں قوم کی طرف یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا، یا تم ان کو میری طرف سے پہنچا دو، یا اسی قسم کے الفاظ ہوں جو اس معنی کا فائدہ دیتے ہوں مثلاً یہ کہ 'میں نے تم کو ان لوگوں کی طرف بھیجا' اور 'ان کو خبر دے دو' اور اس ارسال میں کوئی شرط اور نہ ذاتی استعداد کی شرط ہے جیسا کہ حکماء کا گمان ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اختیار کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہم نہ ہو کہ متکلمین نے نبی کے لئے معجزے کی بھی شرط قرار دی ہے اور اس کو نبی کے خواص میں سے شمار کیا ہے کہ جن کے ذریعہ وہ غیر سے ممتاز ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک معجزہ نبی ہونے کے علم کے لئے شرط ہے نہ کہ نبی ہونے کے لئے۔ اور امتیاز سے مراد امتیاز علمی ہے امتیاز ذاتی نہیں۔ پس سمجھو۔

اور جہاں تک فلاسفہ کا تعلق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نبی وہ ہے جس میں تین خواص جمع ہوں جن کے ذریعہ وہ دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

۱۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو ہونے والے اور گزرے ہوئے نبی امور کی اطلاع ہو اور مستقبل کی بھی اطلاع ہو۔ ہم کہیں گے کہ اس بات پر ہم اور تم دونوں متفق ہیں کہ نبی پر یہ واجب نہیں کہ وہ تمام مغیبات سے واقف ہو، اور بعض مغیبات سے واقف ہونا نبی کے ساتھ مخصوص نہیں، جیسا کہ تم ریاضت کرنے والوں، مریضوں اور سونے والوں کے لئے جائز قرار دیتے ہو، تو اس صورت میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ اکثر مغیبات سے واقف ہو جس کا علم عادتاً نہ ہوتا ہو، اور خارق عادت ہو اور یہ مجہول نہیں بل کہ عادتاً اور عرفاً معلوم

ہے۔ باقی رہا ایک دو مرتبہ غیب پر مطلع ہو جانا اور اس کی خبر دینا جب کہ یہ چیز اس حد تک بار بار پیش نہ آئے کہ حد اعجاز کو پہنچ جائے تو یہ خارق عادت نہیں، پس اس صورت میں نبی غیر نبی سے ممتاز ہو۔ پس سمجھو۔

تم جان لو کہ متکلمین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب کو اللہ تعالیٰ کے بتانے کی وجہ سے جانتے ہیں لیکن اس کو شرط قرار دینا باطل ہے، اسی طرح وہ سب بھی قابلِ رؤیہ ہے جو فلاسفہ نے اطلاع کے لئے بیان کیا ہے۔ یہ اہل اسلام کے اصول کے مناسب نہیں ہے۔ ایک چیز باقی رہی وہ یہ کہ اس تقدیر پر مغیبات سے واقف ہونا دوسری خاصیت میں داخل ہوگا۔ اس لئے کہ وہ ان امور عجیبہ میں سے ہے جو کہ عادت کے خلاف ہیں۔ چنانچہ ان کے علیحدہ بیان کرنے کی کوئی مناسب وجہ ظاہر نہیں۔ پس غور کرو۔

اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سے وہ افعال ظاہر ہوں جو خارق عادت ہوں، اس وجہ سے کہ عالم عناصر کا بیولی اس کا مطیع اور اس کے تصرفات کا تابع ہوتا ہے جس طرح بدن اپنے نفس کا تابع ہوتا ہے،

چنانچہ یہ بعید نہیں کہ نبی کا نفس اس قدر قوی ہو کہ اپنے ارادے اور تصرفات کے مطابق بیولی عنصریہ میں مؤثر ہو۔ یہاں تک کہ اس کے ارادے سے زمین میں ہوائیں، زلزلے، آتش زدگی، غرقابی، ظالموں کی ہلاکت اور فاسد شہروں کی تباہی ظاہر ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اجسام میں نفوس کی تاثیر پر مبنی ہے اور اپنے مقام پر یہ بیان ہو چکا ہے کہ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مؤثر نہیں۔ نیز خارق عادت عجیب امور کا ظاہر ہونا نبی کے ساتھ مخصوص نہیں جیسا کہ تم نے اس کا اعتراف کیا ہے، تو پھر غیر نبی اور نبی میں ہم کس طرح امتیاز کر سکتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ فلاسفہ اگرچہ غیر انبیاء سے بھی عجیب امور کے ظاہر ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن وہ اس کے مکر رہنے کو اور خارق عادت کے حد اعجاز تک پہنچنے کو جائز نہیں قرار دیتے جیسا کہ ان کی عبارتوں سے سمجھ میں آتا ہے تو اس وقت نبی اور غیر نبی کی تمیز ہو جائے گی، کہ نبی سے وہ عجیب امور ظاہر ہوں گے، جو خارق عادت ہوں اور یہ امور غیر نبی سے ظاہر نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے زیادہ باخبر ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ فرشتوں کو محسوس صورتوں میں دیکھے اور ان کے کلام کو سُننے جب

کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آئیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ان (فلاسفہ) کے مذہب اور اعتقاد کے موافق نہیں ہے، بل کہ یہ تو ان (فلاسفہ) کے اعتقاد کے متعلق لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنا اور اس عقیدہ کی برائی پر ایسی عبارت کے ذریعہ پردہ ڈالنا ہے جس کے معنی کے وہ خود قائل نہیں۔ کیوں کہ وہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں کہ فرشتے نظر آتے ہیں، بل کہ ملائکہ ان کے نزدیک یا تو نفوس ہیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے مجرد ہیں اور اجرام افلاک کے ساتھ متعلق ہیں اور ان کو ملائکہ سماویہ کہا جاتا ہے، یا ذاتاً وفعلاً عقول مجردہ ہیں اور انھیں ملائعہ اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اور ان کا کوئی کام نہیں کہ سنا جائے۔ اس لئے کہ یہ اجسام کے خواص میں سے ہے، اس بناء پر کہ حروف و اصوات ان کے نزدیک وہ امور ہیں جو متوجہ ہوا کو عارض ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شاید فلاسفہ نے مجردات کے نظر آنے اور ان کا کام سننے کو اس وقت ممکن قرار دیا ہے جب کہ وہ کسی صورت میں اور کسی جسم کے ساتھ نہ ہوں۔ اور چون کہ یہ جائز ہے کہ وہ صورتوں میں متمثل ہوں اور اجسام کے ساتھ ظاہر ہوں تو اس صورت میں دیکھنے کا تعلق ان سے ہو جائے گا اور ان کے کام کا سننا بھی ممکن ہوگا کیوں کہ ہر مرتبے کے لئے جواز اور عدم جواز کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہے اور جب یہ اپنے مراتب عالیہ سے اتر آئے اور منزل کا لباس پہن لیا تو انہوں نے اس مرتبہ کے احکام کو اختیار کر لیا۔ اور اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ پس سمجھو۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

دوسری بحث معجزے کے بیان میں

معجزے سے ہمارے نزدیک مراد وہ چیز ہے جس سے اس شخص کی صداقت کا اظہار مقصود ہو جو اس کا دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اس کے چند شرائط ہیں:

الف۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو، کیوں کہ تصدیق اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ اس کی طرف

سے ہو۔

ب۔ یہ کہ خارق عادت ہو۔ کیوں کہ جو چیز معتاد ہے مثلاً روزانہ آفتاب کا طلوع ہونا، اور ہر بہار میں پھولوں کا ظاہر ہونا، یہ صدق پر دلالت نہیں کرتے جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔

ج۔ یہ کہ اس کا معارضہ دشوار ہو، اس لئے کہ یہی اعجاز کی حقیقت ہے۔

د۔ یہ کہ مدعی نبوت کے ہاتھوں ظاہر ہو، تاکہ معلوم ہو کہ یہ اس کی تصدیق ہے۔

ہ۔ یہ کہ دعوے کے موافق ہو۔ چنانچہ اگر کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں لیکن اس نے کوئی دوسرا کام خارق عادت کیا مثلاً پہاڑ کا ٹکنا، تو وہ اس کے صدق پر دلالت نہیں کرے گا کیوں کہ اس کی حیثیت تصدیق خداوندی کی نہیں ہے۔

و۔ یہ کہ جس کے معجزہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور معجزے کے طور پر پیش کیا ہو وہ اس کو جھٹلانے والا نہ ہو۔ چنانچہ اگر کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ یہ سو مار (گوہ) بولے گا اور وہ سو مار کہہ دے کہ یہ جھوٹا ہے تو اس سے اس کا سچا ہونا معلوم نہ ہوگا بل کہ اس کے جھوٹے ہونے کا اعتقاد اور بڑھ جائے گا، اس لئے کہ نفس خارق ہے اس کی تکذیب کرنے والا ہے۔

ز۔ یہ کہ دعوے پر مقدم نہ ہو اس لئے کہ دعوے سے پہلے تصدیق عقل میں نہیں آتی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارے میں کلام فرمانا اور خشک درخت سے تروتازہ کھجور کا گرنا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ چاک کیا جانا اور آپ کے قلب کا دھویا جانا، بادل کا سایہ فگن ہونا، پتھروں اور ٹیلوں کا آپ کو سلام کرنا، یہ اس قسم کے امور ہیں جو دعویٰ نبوت سے پہلے ہوتے ہیں، اس لئے یہ معجزات نہیں ہیں بل کہ یہ کرامات ہیں اور اس صورت میں ان چیزوں کو ارباب یا جاہلین نبوت کہتے ہیں۔

اور جو معجزہ کہ دعوے سے متاخر ہو تو یا تو اس کے تاخر کی مدت اتنی تھوڑی ہے کہ اتنا تاخر عادت ہوتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر اس کے تاخر کی مدت بہت زیادہ ہے مثلاً یہ کہنا کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ فلاں چیز ایک مہینے کے بعد ظاہر ہوگی اور ویسی ہی ظاہر ہوگئی تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ معجزہ ہے اور ثبوت نبوت کی دلیل ہے، لیکن اس کی متابعت کی تکلیف اس وقت تک نہیں دی جائے گی جب تک کہ وہ موعود (جس کا وعدہ کیا گیا ہے) ظاہر نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا معجزہ ہونا معلوم ہو۔ اور یہ اس وقت معلوم ہوگا جب کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کا وعدہ کیا ہے۔

باقی رہی مدعی نبوت کے سچے ہونے پر معجزے کی دلالت کی کیفیت تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دلالت محض دلالت عقلی نہیں ہے جس طرح کہ فعل کی دلالت فاعل کے وجود پر، اور اس کے محکم اور متقن ہونے کی دلالت اس پر ہے کہ جس سے یہ صادر ہوا ہے وہ عالم ہے۔ کیوں کہ ادلہ عقلیہ اپنے مدلولات کے ساتھ بذات خود ربط رکھتی ہیں۔ اور یہ فرض کر لینا جائز نہیں

کہ وہ اس پر دلالت کرنے والا نہیں۔ حال آں کہ معجزہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ آسمانوں کا پھٹنا، ستاروں کا جھڑنا۔ اور پہاڑوں کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا، دنیا کے خاتمہ اور قیام قیامت کے وقت وقوع میں آئے گا اور اس وقت ارسال نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اولیاء کے ہاتھوں پر کرامات ظاہر ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ مدعی نبوت کے صدق پر دلالت کرے، اور نہ دلالت سمعیہ ہے کیوں کہ یہ صدق نبی پر موقوف ہے پس دور لازم آئے گا، بل کہ دلالت عادیہ ہے۔ سید سند نے شرح موافق میں اسی طرح تحقیق کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی غلطی سے محفوظ رکھتا ہے اور اسی کی جانب سے توفیق ملتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تحدی اور طلب معارضہ کی تصریح اگرچہ جمہور کے نزدیک معجزے کے لئے شرط نہیں ہے لیکن ضمنی طور پر قرائن احوال سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ تحدی ان امور میں سے ہے جو معجزہ میں سب کے نزدیک لازمی ہے اور اس کے بغیر وہ معجزہ نہیں ہو سکتا پس ایسی باتوں کے متعلق نبردینا جس کا وقوع دنیا کے خاتمہ اور قیام قیامت کے وقت ہوگا وہ معجزہ نہیں ہوگا۔

اس لئے کہ اس صورت میں تحدی بالکل نہ ہوگی۔ صریحاً اس کا نہ ہونا تو ظاہر ہے، اور ضمناً بھی ظاہر ہے کہ اس وقت کسی کا وجود ہی نہ ہوگا کہ اس سے طلب معارضہ کا تصور کیا جاسکے۔ اسی طرح وہ کرامتیں جو اولیاء کے ہاتھوں ظاہر ہوتی ہیں وہ بھی معجزہ نہیں، اس لئے کہ اس کے ساتھ نہ تو دعویٰ ہے اور نہ تحدی۔ پس مدعی نبوت کے صدق پر ان خوارق کے دلالت نہ کرنے کے باعث معجزات کا اس دلالت سے خالی ہونا لازم نہیں آتا، اور یہی مطلوب ہے۔ پس تم سمجھو۔

پس اگر تم کہو کہ مدعی نبوت کے صدق پر معجزے کی دلالت تو اسی سبب سے ہے کہ وہ خارق عادت ہے، اور اس دلالت میں معجزے کی خصوصیت کو کوئی دخل نہیں تو میں کہوں گا کہ بات یہ نہیں ہے جیسا کہ تم نے گمان کیا ہے بل کہ معارضہ کا دشوار ہونا اور دوسروں کا اس کے مثل پیش کرنے پر قادر نہ ہونا، جو کہ اعجاز کی حقیقت ہے، اس (مدعی نبوت) کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ پس دلالت میں اس کی خصوصیت کو دخل ہوگا بل کہ دلالت میں اسی پر اعتماد ہوگا۔

اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ سید سند شریف نے شرح موافق میں تصریح کی ہے کہ محض دلیل نقلی متصور نہیں ہے۔ اس لئے کہ معجز کا صادق ہونا ضروری ہے۔ اور اس کا ثبوت عقل ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ معجزہ میں جو صدق پر دلالت کرتا ہے غور کیا جائے تو اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ نبی

کے صادق ہونے پر معجزہ کی دلالت عقلی ہے اور یہاں دلالت عقلمندی کی اس سے نشی کی گئی ہے، تو یہ تناقض ہی ہے، اس لئے کہ ہم کہیں گے کہ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ صدق پر دلالت کرنے والے معجزہ پر عقلی اعتبار سے نظر کیا جائے تاکہ اس سے خبر دینے والے کی سچائی معلوم ہو۔ باقی رہا صدق پر اس کا عقلی یا عادی طور پر یا کسی اور طور پر دلالت کرنا تو یہ اس سے کسی طرح بھی نہیں سمجھ میں آتا ہے کہ یہ محض دلالت عقلی ہے، اور یہاں نشی سے یہ مطلوب ہے۔ اس لئے کہ کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ عقل کو اس کی دلالت میں بالکل دخل نہیں تاکہ تناقض ہو۔ اور ان کی عبارت میں جو حصر ہے وہ اضافی ہے اور نقل کے اعتبار سے ہے پس غور کرو۔

اور اسی طرح معجزے کی دلالت صدق نبی پر دلالت سمعیہ نہیں ہے ورنہ تو دور لازم آئے گا۔ کیوں کہ معجزہ کا نبی کی صداقت پر دلالت کرنا نبی کے صادق ہونے پر موقوف ہو گا بل کہ وہ دلالت عادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت جاری کی ہے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے بعد صدق کا علم پیدا کر دیتا ہے۔ کیوں کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا ظاہر کرنا اگرچہ عقلاً ممکن ہے لیکن عادتاً اس کا انتقا معلوم ہے۔ کیوں کہ جو شخص یہ کہے کہ میں نبی ہوں۔ پھر پہاڑ لٹک کر آئے اور اس کو لوگوں کے سروں پر لاکھڑا کرے اور کہے کہ اگر تم نے میری تکذیب کی تو پہاڑ تم پر گر جائے گا، اور اگر تم میری تصدیق کرو گے تو یہ تم سے دور ہٹ جائے گا۔

اور جب بھی وہ لوگ اس کی تصدیق کا ارادہ کریں تو وہ پہاڑ ان سے دور ہو جائے اور جب وہ لوگ اس کی تکذیب کا ارادہ کریں تو پہاڑ ان کے قریب آجائے تو اس سے بالبداہتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اور عادت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جھوٹے سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اور لوگوں نے اس کی مثال بیان کی ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص جم غفیر کی موجودگی میں دعویٰ کرے کہ میں اس بادشاہ کی طرف سے تمہاری طرف قاصد بن کر آیا ہوں۔ پھر وہ بادشاہ سے کہے کہ اگر میں سچا ہوں تو اپنی عادت کے خلاف کرو اور اپنی عادی جگہ یعنی تخت سے اٹھ جا اور اس جگہ بیٹھ جا جس کا تو عادی نہیں۔ اور بادشاہ نے ایسا کر دیا تو یہ اس شخص کی صریح گفتگو کی تصدیق کے بمنزلہ ہوگی، اور قرینہ حال کی بناء پر کسی شخص کو اس میں شک نہ ہوگا، اور یہ غائب کو حاضر پر قیاس کے قبیل میں سے نہیں ہے بل کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ معجزہ کا ظاہر ہونا صدق کے علم ضروری ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کے لئے اس کا مفید ہونا ضرورت عادیہ کی بنا پر معلوم ہے۔ اور یہ

مثال سمجھانے کے لئے اور تقریر کی زیادتی کے لئے بیان کی جاتی ہے۔

اور معتزلہ نے کہا کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اس لئے کہ اس کی قدرت عام ہے لیکن اس کا وقوع اس کی حکمت کی بنا پر ممنوع ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس کے سچے ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے اور گم راہ کرنا ہے جو ایک قبیح بات ہے چنانچہ اس کا صدور اللہ تعالیٰ سے دیگر قبائح کی طرح ممنوع ہے، شیخ اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا پیدا کرنا نفسہ قدرت میں داخل نہیں۔ اس لئے کہ معجزہ صدق پر قطعاً دلالت کرتا ہے، اس طور پر کہ صدق کا تعلق اس سے ممنوع ہے۔ چنانچہ اس کی دلالت من وجہ ضروری ہے کیوں کہ اسی کی وجہ سے صحیح دلیل فاسد سے ممتاز ہوتی ہے، اگرچہ ہم اس کی وجہ کو متعین طور پر نہ جانیں۔ پس اگر وہ معجزہ جو جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ صدق پر دلالت کرے تو جھوٹا سچا ہو جائے گا اور یہ محال ہے، ورنہ معجزہ اس چیز سے جدا ہو جائے گا جو اس کو لازم ہے یعنی اپنے مدلول پر اس کی قطعی دلالت، اور یہ بھی محال ہے۔

اور قاضی نے کہا کہ ظہور معجزہ کا صدق کے ساتھ شامل ہونا امر لازم نہیں ہے یعنی لزوم عقلی نہیں ہے جیسا کہ فعل کا وجود فاعل کے وجود کو شامل ہے بل کہ وہ ایک عادی امر ہے۔ جیسا کہ تم نے جان لیا، پس اگر ہم اس کی عادی جگہ سے اس کے انحراف کو جائز قرار دیں تو معجزہ کا صدق کے اعتقاد سے خالی کرنا جائز ہوگا، اور اس وقت جھوٹے کے ہاتھ پر اس کا ظاہر کرنا جائز ہوگا۔ اس میں کوئی دشواری نہیں، بجز اس کے کہ معجزے میں خرق عادت ہوتا ہے، اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ جائز ہے۔ لیکن اس کو جائز قرار دیئے بغیر اس کا اظہار جھوٹے کے ہاتھ پر جائز نہیں، اس لئے کہ جھوٹے کے سچے ہونے کا علم محال ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عادی امور کا ان کی عادی جگہ سے ہٹنے کو مطلقاً جائز قرار دینا اس کو واجب کرتا ہے کہ معجزہ کو نبی کے صدق کے اعتقاد سے خالی کرنا بھی جائز قرار دیا جائے، اس لئے کہ اس کے صدق کا علم معجزہ کے بعد عادی ہے اور اس صورت میں صادق کا امتیاز کاذب سے نہیں ہو سکتا، اور اثبات نبوت ہر روز وہ بند ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے ثابت کرنے میں اعتماد اس پر ہے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے وقت نبی کے صادق ہونے کا علم ضروری عادی طور پر حاصل ہو، بل کہ لازم آتا ہے کہ معجزہ معجزہ نہ رہے۔ اور یہ کہ اس کی دلالت صدق پر بالکل نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ

باقی رہا اپنے خرق عادت کے معجزہ کہا جاتا ہے۔ اور صدق پر دلالت کرتا ہے پس اگر ہم مطلقاً خرق عادت کو جائز قرار دیں تو وہ اس صورت میں صدق پر دلالت نہ کرنے کے اعتبار سے امور عادیہ کی طرح ہوں گے۔ مثلاً روزانہ آفتاب کا طلوع ہونا۔ پس حق اس مقام میں وہ ہے جو میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ ہم نے خرق عادت کو صرف نبی کے حق میں انباز کے طور پر اور ولی کے حق میں کرامت کے طور پر اس کے سلف ہونے کے باوجود جائز قرار دیا ہے کیوں کہ اس کا حصول اور اس کا تحقق ہر زمانے میں ہے، یہاں تک کہ یہ عادت مستمر ہوگئی ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں اور اس کا مستبعد ہونا مرفوع ہو گیا۔ باقی رہا اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں تو عادت اپنی حالت پر باقی ہے کہ اس کا استبعاد مرفوع نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کی طرف شبہ راہ پاتا ہے اور نہ اس میں خرق کبھی جائز ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ پہاڑ جس کو ہم نے پہلے دیکھا ہے اس کا سونے سے بدل جانا جائز قرار دیا جائے۔ اسی طرح سمندر کے پانی کا خون یا تیل ہو جانا، یا گھر کے ظرف کا عالم مردوں کی صورت میں تبدیل ہو جانا جائز قرار دیا جائے، یا یہ کہ بوڑھا (آدمی) بغیر باپ ماں کے دفعتاً پیدا ہو گیا ہے اور یہ کہ جس کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہو وہ اس کے علاوہ ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس طور پر کہ وہ معدوم ہو جاتا ہے اور اس کے مثل وجود میں آجاتا،

اس کی وجہ سے امور معاش و معاد میں جو ضبط اور خلل پیدا ہوتا ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ پس اگر اللہ سبحانہ بھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کر دے تو اس معجزہ سے اس شخص کے صدق کا اعتقاد عادتاً مختلف نہ ہوگا اور اس کے صدق کا علم عادی اس کو لازم ہے، اس لئے کہ عادت بھی حسن کی طرح علم کا ایک ذریعہ ہے اور کاذب کے صدق کا علم محال ہے۔ نیز معجزہ کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کاذب کی تصدیق ہوگی اور کاذب کی تصدیق کذب ہے۔

”اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے جو وہ لوگ کہتے ہیں۔“

باقی جادو وغیرہ تو یہ اس قبیل سے ہے کہ اسباب کے مترتب ہونے پر مسببات حاصل ہوتے ہیں، اور اس کو خوارق سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ علاوہ بریں یہ وہم پیدا کرنا اور تخیل ہے، اور ایسی حقیقت کا ظاہر کرنا ہے جو کہ نفس الامر میں تحقیق نہیں ہے جیسے میدان میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا ہے۔

پہلا مقالہ اور اس میں دو مسلک ہیں

پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت اور تمام مخلوقات کے اس کی طرف احتیاج کے بیان میں ہے۔

تم جان لو کہ انسان کا جو ہر اول فطرت میں سادہ اور خالی پیدا کیا گیا، کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عوالم کی کچھ بھی خبر نہیں، اور عوالم بہت زیادہ ہیں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے پروردگار کے لشکروں کو وہی جانتا ہے۔ اور اس کو عوالم کی خبر ادراک کے واسطے سے ہوتی ہے

پس ادراکات میں سے ہر ادراک کی تخلیق صرف اس لئے ہوئی کہ اس کے ذریعے سے انسان عالم موجودات سے مطلع ہو۔ اور عوالم سے ہماری مراد اجناس موجودات ہیں۔ پس انسان میں سب سے پہلے لمس کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے گرمی، سردی، تری، خشکی، نرمی، سختی وغیرہ کا ادراک کرتا ہے۔ اور لمس کی قوت رنگوں اور آوازوں کے ادراک سے بالکل قاصر ہے، بل کہ یہ لمس کے حق میں معدوم کی طرح ہیں۔ پھر اس کے اندر دیکھنے کی قوت پیدا کی جاتی ہے جس کے ذریعے وہ رنگوں اور شکلوں کا ادراک کرتا ہے، اور یہ عالم محسوسات میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔ پھر اس کے سننے کی قوت پیدا کی جاتی ہے جس سے آواز اور نغمے سنتا ہے۔ پھر اس کے لئے اسی طرح چمکنے کی قوت پیدا کی جاتی ہے یہاں تک کہ عالم محسوسات کی طرف تجاوز کرتا ہے تو اس کے اندر تمیز پیدا کی جاتی ہے جب کہ وہ سات سال کی عمر کے قریب ہوتا ہے اور یہ اس کے وجود کے مختلف اطوار میں سے ایک طور ہے جس کے ذریعے وہ ان امور کا ادراک کرتا ہے جو کہ محسوسات کے علاوہ ہیں، اور عالم حس میں اس میں سے کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک اور درجہ پر ترقی کرتا ہے اور اس کے لئے عقل پیدا کی جاتی ہے تو واجبات، ممکنات اور مستحیلات اور ان دیگر امور کا ادراک کرتا ہے جو اس کے قبل کے درجہ میں حاصل نہیں ہوتے۔ اور عقل کے اوپر ایک اور درجہ ہے جس میں اس کی ایک دوسری آنکھ کھل جاتی ہے اور اس کے ذریعے غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے اور دیگر ایسے امور کو دیکھتا ہے جس سے عقل معزول ہے، جس طرح کہ قوت حس تمیز کے مدارکات سے معزول ہے۔ اور جس طرح کہ تمیز والے کے سامنے مدارکات عقل پیش کئے

جائیں تو وہ اس کا انکار کر دے اور مستبعد جانے، چنانچہ اسی طرح بعض عقلاء نے مدرکات نبوت کا انکار کیا اور اس کو مستبعد جانا اور یہ عین جہل ہے اس لئے کہ اس کے استناد کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ یہ ایسا درجہ ہے جہاں تک وہ پہنچائیں، اور نہ اس کے حق میں پایا گیا۔ پس اس نے گمان کیا کہ وہ فی نفسہ موجود نہیں۔ اور مادر زاد اندھا اگر تو اتر اور تسماع سے رنگوں اور شکلوں کو نہ جانے اور اس کے سامنے یہ چیزیں ابتداءً بیان کی جائیں تو وہ نہ اس کو جانے گا اور نہ اس کا اقرار کرے گا۔ حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مخلوق کے قریب کر دیا ہے اس طور پر کہ ان کو خاصہ نبوت کا ایک نمونہ عطاء کیا۔ اور وہ نیند ہے کہ سونے والا اس غیب کا ادراک کرتا ہے جو عنقریب ہونے والا ہے خواہ صریحاً ہو یا لباس مثال میں ہو جو تعبیر سے منکشف ہوتا ہے۔ اور اگر کسی انسان نے خود اس قسم کا تجربہ نہ کیا ہو اور اس سے کہا جائے کہ بعض انسان غش کھا کر مردے کی طرح گر جاتا ہے اور اس کا احساس اور اس کے سننے اور دیکھنے کی قوت زائل ہو جاتی ہے تو وہ غیب کا ادراک کرتا ہے تو وہ شخص اس کا انکار کر دے گا، اور اس کے محال ہونے پر دلیل قائم کرے گا اور کہے گا کہ حاتمہ کی قوتیں ادراک کے اسباب ہیں لیکن جو شخص اس کے قائم رہنے کی حالت میں ادراک نہیں کر سکتا تو اس کے زوال کے وقت تو بدرجہ اولیٰ اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ اس قسم کا قیاس ہے کہ وجود اور مشاہدہ اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور جس طرح عقل کا درجہ آدمی کے درجات میں سے ایسا درجہ ہے کہ اس میں ایسی نظر حاصل ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ سے انواع معقولات کا ادراک کرتا ہے اور جو اس سے معزول ہوتے ہیں۔ اسی طرح نبوت سے مراد وہ درجہ ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اس کی روشنی میں غیب اور وہ دیگر امور ظاہر ہوتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔ اور نبوت میں شک یا تو اس کے امکان میں، یا اس کے وجود میں یا ایک شخص معین کے لئے اس کے حصول میں ہوگا، حال آں کہ اس کا وجود اس کے امکان کی دلیل ہے۔ اور اس کے وجود کی دلیل وہ علوم و معارف ہیں جن کا عقل سے حاصل ہونا متصور نہیں ہو سکتا۔ مثلاً علم طب و نجوم کہ جو شخص ان دونوں علوم سے بحث کرے گا یا اس کو بالبداہتہ اس کا علم ہوگا کہ ان دونوں کا ادراک الہام الہی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور تجربہ کے ذریعے ان دونوں کی طرف پہنچنے کا راستہ نہیں، کیوں کہ بعض احکام نجوم ایسے ہیں کہ ہر ہزار سال میں ایک بار واقع ہوتے ہیں، تو یہ تجربہ سے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، یہی حال ادویہ کے خواص کا ہے۔ پس اس دلیل سے ظاہر

ہوا کہ جن امور کا ادراک عقل نہیں کر سکتی ان کے ادراک کے طریقے کا وجود ممکن ہے اور نبوت سے یہاں یہی مراد ہے کیوں کہ نبوت صرف اسی سے عبارت ہے بل کہ اس جنس کا ادراک جو مدرکات عقل سے خارج ہے نبوت کے خواص میں سے ہے۔ اور اس کے علاوہ نبوت کے اور بھی بہت سے خواص ہیں۔ ان خواص میں جو ہم نے بیان کئے ہیں وہ سمندر کا ایک قطرہ ہے اور جو ذکر کیا ہے تو اس لئے کہ تمہارے پاس تمہارے مدرکات میں سے نیند میں اس کا نمونہ ہے۔ اور تمہارے پاس طب و نجوم میں اس جنس کے بہت سے علوم ہیں۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں ان کی طرف عقلاء سرمایہ عقل کے ذریعے کبھی نہیں پہنچ سکتے، اور ان کے علاوہ جو دیگر خواص نبوت ہیں تو ان کا ادراک ہم ذوق کے ذریعے کر سکتے ہیں جو کہ طریق تصوف اور اولیاء اللہ کے طریقے پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن صرف یہ ایک خاصہ اصل نبوت پر تمہارے ایمان کے لئے کافی ہے، جیسا کہ امام غزالی نے اپنی المُنْقَذُ مِنَ الصَّلَاةِ نامی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ فلاسفہ نے کہا کہ بعثت حسن ہے اس لئے کہ یہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ مثلاً عقل کا تقویت پہنچانا، ان امور میں جو عقل کی معرفت کے ساتھ مستقل ہیں جیسے وجود باری، اس کا علم، اور اس کی قدرت، اور حکم کا نبی سے استفادہ کرنا ان امور میں جن میں عقل مستقل نہیں ہے، جیسا کہ کلام، رویت اور معاد جسمانی، تاکہ رسولوں کے آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت لوگوں کے لئے نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا خوف جو پیدا ہوتا ہے اس کا نیکوں کے بجالانے کے وقت زائل ہونا اور ان کے چھوڑنے کے وقت اس لئے کہ یہ ترک طاعت ہے اور حسن و قبح کا ان افعال سے استفادہ کرنا جو کبھی اچھے معلوم ہوتے ہیں اور کبھی برے، بغیر اس کے کہ عقل اس کے مواقع کی طرف رہبری کرے۔ اور غذاؤں اور دواؤں کے منافع اور ان کی مضرتوں کا علم جس کو تجربہ مختلف ادوار و اطوار کے بعد خطرات میں پڑ کر ہی حاصل کرتا ہے۔ اور نوع انسانی کی حفاظت، کیوں کہ انسان مدنی الطبع ہے اور تعاون کا محتاج ہے اس لئے ایسی شریعت کا ہونا ضروری ہے جو کہ شارع مقرر کرے اور اس کی اطاعت کی جائے، اور نفوس بشریہ کا ان کی مختلف استعداد کے مطابق علمیات اور عملیات میں کامل کرنا اور ان کی حقیقی صنایع یعنی حاجات و ضروریات کی تعلیم، اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم جن کا تعلق اشخاص سے ہے، اور سیاسیات کاملہ کی تعلیم جن کا تعلق جماعتوں سے یعنی منازل اور شہروں سے ہے، اور عینکوں کی ترغیب اور برائیوں سے ڈرانے کے لئے عذاب و ثواب

کی خبر دینا وغیر ذلک۔

یہ پوشیدہ نہیں کہ اس کلام سے بعثت کا وجوب سمجھ میں آجاتا ہے۔ پس حسن سے مراد وہ ہے جو کہ واجب کو بھی شامل ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض مواقع میں ان (فلاسفہ) کی تصریح موجود ہے کہ بعثت واجب ہے۔

منکرین کے اعتراضات

بعثت کا انکار کرنے والوں نے چند اعتراضات وارد کئے ہیں:

اول یہ کہ جس کی بعثت ہوتی ہے اس کو اس کا علم ہونا ضروری ہے کہ اس کو یہ کہنے والا کہ میں نے تجھ کو بھیجا ہے پس تو میری جانب سے پہنچا دے۔ اللہ ہی ہے۔ اور اس علم کی کوئی صورت نہیں اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ جن کے القاء کے ذریعے ہوا ہو، اور تم اس کے وجود پر متفق ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیچنے والا اس بات پر دلیل قائم کر دیتا ہے جس سے رسول کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ”میں نے تجھ کو بھیجا ہے“۔

کہنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، جن نہیں ہے۔ اس طور پر کہ اللہ سبحانہ ایسے آیات و معجزات ظاہر کرتا ہے جس سے تمام مخلوقات عاجز رہتے ہیں۔ اور یہ اس کے لئے اس علم کا فائدہ دیتا ہے، یا اس میں اس کا علم ضروری پیدا کر دیتا ہے کہ بھیجنے والا اور کہنے والا وہی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو نبی کی طرف وحی کا القا کرتا ہے اگر وہ جسمانی ہے تو ضروری ہے کہ وہ القاء کے وقت تمام حاضرین کو نظر آئے حال آں کہ واقعہ یہ نہیں ہے جیسا کہ تم نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، اور اگر جسمانی نہیں بل کہ روحانی ہے تو وحی کا القاء تکلم کے ذریعے محال ہے، اس لئے کہ روحانیت کے لئے کلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور جواب پہلے شق کی بنا پر یہ ہے کہ ملازمت (یعنی جسمانی ہونے کی صورت میں یہ لازم قرار دینا کہ القاء کے وقت تمام حاضرین کو نظر آئے) تسلیم نہیں۔

اس دلیل کی بنا پر کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضرین میں اس کی رویت کو پیدا نہ کرے کیوں کہ اس کی قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں۔ اور یہ پوشیدہ نہیں کہ حاضرین کے لئے اس کی رویت کے پیدا کرنے کو جائز قرار دینا باوجودیکہ یہ فی نفسہ ممکن ہے اور اللہ سبحانہ کی قدرت میں

ہے، یہ اس بات کے جائز قرار دینے کو مستلزم ہے کہ ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور بڑے بڑے شہر ہوں جنہیں ہم دیکھ نہ سکیں، اور بوق و طبل بج رہے ہوں اور ہم ان کو سن نہ سکیں یہ سفسطہ ہے۔ پس میں کہتا ہوں اللہ سبحانہ زیادہ جاننے والا ہے کہ القاء کرنے والا جسمانی لطیف شفاف ہے یعنی فرشتہ ہے اور شفاف جسم کا دیکھنا غیر معتاد ہے جیسے آسمان پس سفسطہ لازم نہیں آتا، بل کہ سفسطہ تو اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ جسم کثیف کی عدم رویت کو جائز قرار دیا جائے، اس سبب سے کہ یہ عادت کے خلاف ہے پس سمجھو۔

اور ہم دوسری شق کو اختیار کر کے بھی اس طرح جواب دے سکتے ہیں کہ روحانی ایک لطیف شفاف صورت میں متمثل ہوں اور رسول اس کے کلام کو سنیں جو کہ اللہ سبحانہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے جیسا کہ گزرا۔ اور اس میں کوئی اشکال نہیں پس غور کرو۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ رسالت کی تصدیق مرسل کے وجود کے علم پر موقوف ہے اور اس علم پر کہ کیا چیز اس پر جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ اور یہ بجز وقت نظر کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور وہ غورو فکر جو اس علم تک پہنچا دے اس کے لئے کوئی معین زمانہ مثلاً دن یا سال کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، بل کہ وہ اشخاص اور ان کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔ پس مکلف کو حق ہوگا کہ نظر حاصل کرنے کے لئے مہلت طلب کرے اور کسی زمانے میں بھی عدم علم کا دعویٰ کرے۔ اس صورت میں نبی کا ساکت کرنا لازم آئے گا۔ اور بعثت عبث ہوگی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت طلبی کا اختیار نہیں دیا بل کہ اس پر تصدیق بلا مہلت کے واجب کر دی تو تکلیف مالا یطاق لازم آئے گا۔ اس لئے کہ رسالت کی تصدیق بغیر اس علم مذکور کے ان امور میں سے ہے جن کا وجود متصور نہیں اور یہ کہ یہ عقلاً قبیح ہے، اس لئے اس کا صدور حکیم تعالیٰ سے ممتنع ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ مہلت دینا ضروری نہیں اس لئے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب رسالت کا دعویٰ کیا اور اس کے دعوے کے ساتھ معجزہ بھی شامل ہو جو کہ خارق عادت ہو تو متابعت بلا مہلت کے واجب ہے اس لئے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے وقت صدق رسول کا علم عادی حاصل ہوتا ہے، پس سمجھو۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ بعثت تکلیف سے خالی نہیں، اس لئے کہ بعثت کا یہی فائدہ ہے اور تکلیف کئی وجوہ کی بناء پر ممتنع ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ جبر کو ثابت کرتی ہے اس لئے کہ بندے کا فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت سے

واقع ہوتا ہے اور تمہارے نزدیک بندے کی قدرت مؤثر نہیں تو غیر کے فعل کی تکلیف دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کی قدرت اگرچہ غیر مؤثر ہے لیکن اس کو فعل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس کو کسب کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے اس کو تکلیف دینی جائز ہے، اس لئے تکلیف مالا یطاق نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تکلیف بندے کو نقصان پہنچانا ہے اس لئے کہ اس کے لئے فعل کی مشقت اور ترک پر عذاب کی مشقت لازم ہے اور نقصان پہنچانا قبیح ہے، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تکلیف میں جو دنیوی و اخروی مصالِح ہیں وہ اس کی مضرتوں سے کہیں زیادہ ہیں جیسا کہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ اور خیر کثیر کا شر قلیل کی وجہ سے چھوڑنا جائز نہیں۔

تیسرے یہ کہ تکلیف میں جو مشقت ہے وہ یا تو بغیر کسی غرض کے ہوگی، اور یہ عبث قبیح ہے، یا کسی غرض کے لئے ہوگی جس کا تعلق یا تو اللہ تعالیٰ سے ہوگا حال آں کہ اللہ تعالیٰ اغراض سے منزہ ہے۔ یا اس کا تعلق بندے سے ہے تو اس صورت میں یا تو نقصان پہنچانا ہے اور یہ بالاجماع منافی ہے۔ یا نفع پہنچانا ہے تو نفع حاصل کرنے کی تکلیف اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں عذاب دینا خلاف عقل ہے، اس لئے کہ یہ بمنزلہ اس کے ہے کہ اس سے کہا جائے کہ اپنی ذات کے لئے نفع حاصل کر، ورنہ میں تجھ کو ابد الابد تک عذاب دوں گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرع ہے اس بات کی کہ عقل نے اس کے حسن اور قبح کا حکم لگایا ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی افعال میں غرض کا ہونا لازمی ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے مقام پر باطل کر دیا ہے۔ نیز تکلیف ایسی غرض کے لئے ہے جو کہ بندے سے متعلق ہے، یعنی دنیوی اور اخروی منافع جو کہ افعال کی مختلف مشقتوں کی مضرتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ باقی رہا اس کا سزا دینا تو یہ اس سبب سے نہیں ہے کہ اس نے منفعت نہیں حاصل کیا، بل کہ اس سبب سے ہے کہ اس نے اپنے آقا سردار کے حکم کی پیروی نہیں کی، اور اس میں آقا کی اہانت ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

نے کیوں اس کی تکلیف دی باوجود اس علم کے کہ وہ پیروی نہیں کرے گا، اور نہ اس کے ذریعے سے اپنے لئے کوئی فائدہ حاصل کرے گا، یہ تو اس کو صرف نقصان پہنچانا ہے اور یہ بڑا ہے۔

اس کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ تکلیف اگرچہ اس کے اعتبار سے ضرر پہنچانا ہے لیکن یہ رچکا ہے کہ قلیل نقصان خیر کثیر کی خاطر عقلاً جائز ہے پس یہ برائہ ہوگا۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ کافر کی تکلیف میں بھی فائدہ ہے، وہ ثواب کی تعریض ہے، ثواب نہیں۔ کیوں کہ ثواب تکلیف دینے والے کی اطاعت کا فائدہ ہے نہ کہ تکلیف کا فائدہ۔ اور اس کے قریب وہ ہے جو لوگوں کے لئے مثال کے طور پر بیان کیا ہے کہ جیسے کوئی شخص کی غیر کو کھانے کی دعوت دے اور وہ جانتا ہو کہ وہ اس دعوت کو قبل نہ کرے گا مگر اس طور پر کہ اس کے لئے مختلف قسم کے تاذب و تلتطف (سختی و نرمی) سے کام لے۔ اور اگر داعی نے اس قسم کا تاذب اختیار نہیں کیا تو وہ اپنی غرض میں ناقص ہوگا۔

بعثت اور شریعتوں کی حکمت

اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بہتر اور نافع ہے جو حکمائے اسلام نے کہا ہے کہ تکلیف حسن ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے امور معاش میں مستقل نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو غذا الباس اور مکان اور اسلحہ اور اس کے علاوہ ان امور کی ضرورت ہے جو کہ صناعتی ہیں اور ان پر ایک صالح اپنی مدت حیات میں قادر نہیں ہے، بل کہ یہ ایک جماعت ہی کو میسر آ سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں، اور اس کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے شریک ہوں، اس طور پر کہ ہر ایک اپنے ساتھی کے لئے اس کے کام کے مقابلے میں کام کرے۔

مثلاً ایک دوسرے کے لئے کپڑے سینتا ہے تو دوسرا اس کے لئے سوئی بناتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے، کیوں کہ تمدن سے ان کی اصطلاح میں یہ اجتماع ہی مراد ہے اور یہ اجتماع اسی وقت منظم ہوتا ہے جب کہ ان کے درمیان معاملہ اور عدل ہو۔ کیوں کہ ہر شخص کو اس چیز کی خواہش ہوتی ہے جس کا وہ محتاج ہے اور اس پر غضبناک ہوتا ہے جو اس میں مزاحم ہو۔ اور یہ دوسرے پر ظلم کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے ہرج واقع ہوتا ہے اور اجتماع کے کام

اور اس کے نظام میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اور معاملہ و عدل کی اتنی جزئیات ہیں جن کا حصر نہیں کیا جاسکتا اور وہ قوانین کے وضع کے بغیر ضبط میں نہیں آسکتے، وہ قوانین سنت اور شرع ہیں۔ پس ضروری ہے کہ کوئی شارع ہو، پھر اگر وہ لوگ وضع سنت اور وضع اور شرع میں باہم نزاع کریں تو ہرج واقع ہوگا اس لئے مناسب ہے کہ شارع استحقاق طاعت میں ان سے ممتاز ہو، تاکہ باقی لوگ قبول سنت اور شرع میں اس کی اطاعت کریں۔

اور یہ استحقاق اسی وقت متصور ہوگا جب کہ وہ ایسے آیات کے ساتھ مختص ہو جو اس پر دلالت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور یہی معجزات ہیں۔ پھر جمہور عوام احکام شرع کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں جب کہ ان پر مرغوبات کا شوق غالب ہو۔ پس وہ معصیت پر اور شرع کی مخالفت پر پیش قدمی کرتے ہیں۔

چنانچہ جب مطیع کے لئے ثواب ہو اور نافرمان کے لئے سزا ہو، تو خوف اور امید ان کی طاعت اور ترک معصیت پر آمادہ کریں گے گویا شریعت کا انتظام اس کے اعتبار سے قوی ہے جب کہ ایسا نہ ہوتا۔ پس ان پر شارع اور بدلہ دینے والے کی معرفت ضروری ہے۔ اور ضروری ہے کسی ایسے سبب کا ہونا جو کہ اس معرفت کو محیط ہو۔

چنانچہ اسی وجہ سے صاحب شرع اور بدلہ دینے والے کی عبادات مذکورہ مشروع کی گئیں اور ان کا تکرار کیا گیا تاکہ اس تکرار کی وجہ سے تذکر مستحکم ہو جائے تو اس صورت میں مناسب ہے کہ شارع ایسے خالق کی تصدیق کی دعوت دے جو عظیم و قدیر ہے۔ اور شارع ایمان لانے کی دعوت دے جو کہ اس خالق کی جانب ان لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے اور سچا ہے۔

اور وعدہ و وعید، ثواب و عذاب اخروی کے اعتراف کی دعوت دے اور عبادات کے ساتھ قیام کی دعوت دے جن میں خالق کا ذکر اس کی صفات جلال کے ساتھ ہو، اور اس سنت کی اطاعت کی دعوت دے جس کی لوگوں کو اپنے معاملات میں ضرورت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس دعوت کے ذریعے وہ عدل جاری ہو جائے جو کہ امور نوع کے نظام کو درست کرنے والا ہو۔ اور اس سنت کا استعمال تین امور میں نافع ہے،

اول تو اے نفسانیہ کی ریاضت اس کو شہوت کے بغل گیر ہونے سے اور اس غضب سے روکتی ہے جو کہ نفس ناطقہ کے لئے جناب قدس کی طرف توجہ سے مائع ہیں۔

دوسرے امورِ عالیہ میں برابر غور و فکر کرنا جو کہ عوارضِ مادیہ اور کدوراتِ حیہ سے پاک ہیں اور ملاحظہ ملکوت کی طرف پہنچانے والے ہیں۔

تیسرے شارع کے انذرات (ڈرانا) کی یاد کا آنا اور نیک کام کرنے والوں کے لئے وعدہ اور بدکاروں کے لئے وعید کی یاد کا آنا جو دنیا میں عدل قائم کرنے کو اور ساتھ ساتھ آخرت میں اجر و ثواب کو مستلزم ہے۔

یہ تو ان (حکمائے اسلام) کا کلام ہے، اور اس کے قریب قریب معتزلہ کا یہ قول ہے کہ تکلیف عقلاً واجب ہے اس لئے کہ یہ قبائح کے ارتکاب سے روکنے والی ہے کیوں کہ انسان بہ مقتضائے طبیعت مرغوبات اور لذیذ چیزوں کی طرف رغبت کرتا ہے۔ پس جب اسے معلوم ہوگا کہ یہ حرام ہے تو وہ اس سے رک جائے گا اور قبائح سے رکنا واجب ہے۔

چوتھی وہ یہ ہے کہ تکلیف یا تو فعل کے وجود کے ساتھ ہوگی، اور اس کے واجب ہونے کا اور اس کے صدور کے متعین کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اس وقت اس کے صدور کا عبث قبیح ہونا متعین ہوگا۔ اور یہی حال اس وقت بھی ہے جب کہ تکلیف فعل کے بعد ہو، کیوں کہ یہ تحصیل حاصل کی تکلیف ہے اور یا قبل وجود فعل کے ہے۔ یہ تکلیف مالا یطاق ہے، اس لئے کہ فعل قبل فعل کے محال ہے، کیوں کہ کسی چیز کا وجود اس کے عدم کی حالت میں نہیں ہوتا۔ اور جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قدرت فعل کے ساتھ اور اس کی تکلیف اس حالت میں محال یعنی تحصیل حاصل کی تکلیف نہیں ہے۔

اور یہ تو اسی صورت میں ہوتا ہے اگر فعل اس تحصیل سے پہلے حاصل ہو جس تحصیل میں کہ وہ مشغول ہے۔ اور یہ ایسا نہیں ہے بل کہ یہ اس تحصیل کی وجہ سے حاصل ہے۔ علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تکلیف احداث کی طرح ہے۔ پس کہا جائے گا کہ اس کا احداث یا تو اس کے وجود کی حالت میں ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور یا اس کے عدم کی حالت میں ہے تو یہ جمع بین التقيضین ہے، اور احداث ان امور میں ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ پس احداث میں تمہارا جو جواب ہوگا تکلیف کے متعلق میرا بھی وہی جواب ہوگا۔ معتزلہ نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ تکلیف قبل فعل کے ہے اور یہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہے۔ اس کہ فی الحال تکلیف دوسرے حال میں واقع کرنے کی ہے نہ یہ کہ فوری واقع کرنے کی کہ جمع بین التقيضین یعنی وجود و عدم کا اجتماع محال ہے۔ جیسا کہ کافر کو

فی الحال تکلیف اس کی دی گئی ہے کہ دوسرے حال میں ایمان کو وقوع میں لائے، اور یہ محل نظر ہے اس لئے کہ اگر مثل وہ دوسرے حال میں کفر کو جاری رکھے تو اس میں ایمان پر قدرت نہیں اور اگر ایمان سے بدل ڈالے تو وہ اس کا مکلف نہیں ہے، اس لئے کہ تحصیل حاصل کی تکلیف محال ہے۔ اور اس کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ تکلیف اسی سے متعلق ہے جو کہ قدرت میں ہے۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس چیز کی تکلیف دی گئی ہے وہ اس کے وجود کے زمانے میں مقدر ہو۔ باقی رہا قدرت کا تکلیف کو جامع ہونا تو یہ نہیں ہے۔ مزید برآں تحصیل حاصل کی تکلیف اس وقت محال ہے جب کہ دوسری تحصیل کی تکلیف دی جائے نہ کہ اسی تحصیل کی جیسا کہ گزرا۔ پس اگر تم کہو کہ کفر جاری رکھنا دوسرے حال میں ان کے نزدیک ایمان پر اس کی قدرت کے منافی نہیں، اس لئے کہ ایمان کفر کی حالت میں ان کے خیال کے مطابق قدرت میں ہے۔ کیوں کہ قدرت فعل سے پہلے ثابت ہے تاکہ کافر کو ایمان کی تکلیف صحیح ہو۔ اس بنا پر کہ جو چیز قدرت میں نہیں ہے اس کی تکلیف نہیں دی جاتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اور اس صورت میں پہلی شق کو اختیار کر کے بھی جواب صحیح ہو سکتا ہے، جیسا کہ تم دیکھو گے۔ تو میں کہتا ہوں (اور اللہ سبحانہ خوب جانتا ہے) کہ ناظر کی مراد یہ ہے کہ دوسرے حال میں کفر پر قائم رہنے کی صورت میں ایمان اس وقت بھی قدرت میں نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ وجود اور عدم کا جمع کرنا ہے۔

پس ان کے اس اعتذار کا کہ فی الحال تکلیف صرف دوسرے حال میں واقع کرنے کی ہے، کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ اس بناء پر پہلی شق کو اختیار کر کے جواب ممکن نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ پس سمجھو۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ بعض ملاحظہ کا خیال ہے کہ افعال شاقہ بدنیہ کی تکلیف باطن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں، اور ان صفات میں جو کہ واجب ہیں اور جائز ہیں اور وہ افعال جو کہ ممتنع ہیں ان میں تفکر سے روکتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ مصلحت جس کی اس سے توقع ہے وہ فوت ہو جاتی ہے۔ یعنی امور مذکورہ میں غور و فکر کرنا، پھر مزید برآں وہ امور جو تکلیف کی وجہ سے متوقع ہیں۔ پس یہ عقلاً ممتنع ہے۔

اور جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت میں فکر کرنا یہی تکلیف کا مقصد اعلیٰ ہے اور

تمام تکالیف اس کی معاون اور داعی ہیں اور مکلف کے لئے اس اصلاحِ معاش کا سبب اور وسیلہ ہیں، اوقات کو ان پریشان کن امور سے محفوظ رکھنے میں مددگار ہیں جن میں مشغول ہونا تکالیف کی مشغولیت سے زیادہ پریشان کن ہے۔

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ عقل میں بعثت کی طرف سے کفایت ہے، پس کوئی فائدہ نہیں، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عقل جس چیز کے حسن کا فیصلہ کرے اس پر عمل کیا جائے گا، اور جس کے برے ہونے کا حکم دے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور جس کے اچھے برے ہونے کا کوئی فیصلہ نہ کرے تو ضرورت کے وقت اس پر عمل کیا جائے گا، اس لئے کہ ضرورت موجود ہے پس اس حاجت کا اعتبار کرنا واجب ہے تاکہ اس کے فوت ہونے کی مضرت کو دفع کیا جاسکے اور مضرت کا محض احتمال اس کے برے ہونے کی تقدیر پر اس کے معارض نہ ہوگا۔ اور اس حاجت کے نہ ہونے کے وقت اس کو احتیاطاً ترک کر دیا جائے گا تاکہ وہ مضرت دفع ہو سکے جس کا وہم ہے

اور حسن و قبح کے متعلق عقل کا حکم تسلیم کرتے ہوئے جواب یہ ہے کہ شرع جو بعثت سے مستفاد ہے اس کا فائدہ اس کی تفصیل بیان کرنا ہے جس کو عقل نے اجمالاً حسن و قبح اور منفعت و مضرت کے مراتب دیئے ہیں اور اس چیز کا بیان کرنا ہے جس سے عقل ابتداء قاصر ہے کیوں کہ عقل کے حکم کو ماننے والے اس کا انکار نہیں کرتے کہ بعض افعال ایسے ہیں جن میں عقل کچھ حکم نہیں کرتی۔ مثلاً وظائفِ عبادات، تعیینِ حدود و مقادیر، اور نفع پہنچانے والے اور مضرت افعال کی تعلیم، اور نفعی شارع اس طبیبِ حاذق کی طرح ہے جو دوائیں اور ان کے طبائع و خواص جانتا ہے، یہ ایسے امور ہیں کہ اگر عام لوگوں کا تجربے کے ذریعے ان کی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے تو وہ ایک طویل زمانے میں ممکن ہے جس میں اس کے فوائد سے وہ محروم رہیں گے، اور اس کے کمال تک پہنچنے سے پہلے وہ ہلاکتوں میں پڑیں گے، کیوں کہ اس مدت میں بسا اوقات ایسی دوائیں استعمال کریں گے جو مہلک ہوں اور انہیں اس کا علم نہ ہو چنانچہ ہلاک ہو جائیں گے مزید برآں ان امور میں مشغول ہونا نفس کو مشقت میں ڈالنے کا اور ضروری صنعتوں کے تعطل کا اور مصالحِ معاش سے بے توجہی کا سبب ہوگا۔ جب وہ اس کو طبیب سے اخذ کریں گے تو ان کا بوجھ ہلکا ہوگا اور اس سے نفع حاصل کریں گے اور ان مضرتوں سے محفوظ رہیں گے۔

پس جس طرح کہ امور مذکورہ کی معرفت کے امکان کی بنا پر طبیب سے بے نیازی کا دعویٰ

نہیں کیا جاسکتا اسی طرح تکالیف اور افعال کے احوال کی معرفت کے امکان کی بنا پر نہیں کہا سکتا کہ اس میں عقل کے تامل کی وجہ سے مبعوث سے بے نیازی ہے، یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے جب کہ نبی وہ چیز جانتے ہیں کہ اس کا علم اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتا ہے، بخلاف طیب کے کہ محض فکر و تجربے کے ذریعے ان تمام امور کی طرف پہنچنا ممکن ہے جو کہ وہ جانتا ہے۔ پس جب کہ وہ اس سے مستغنی نہ ہو تو نبی سے تو بدرجہ اولیٰ مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اور اثبات نبوت اور حسن تکلیف کے سلسلے میں حکماء کے مذہب کی تقریر جو پہلے بیان ہو چکی ہے اس میں اس کلام کا تمہ ہے۔

چھٹا (اعتراض) یہ ہے کہ معجزہ ممتنع ہے اس لئے کہ یہ خرق عادت ہے اور اس کا جائز قرار دینا سفسطہ ہے پس معجزہ نبوت کو ثابت نہیں کرتا اس کا جواب یہ ہے کہ خرق عادات آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کے پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے، اور بعض مواد میں خرق کے عدم وقوع کا یقین اس کے فی نفسہ امکان کے منافی نہیں ہے۔ علاوہ بریں خرق عادت انبیاء اور اولیاء سے ایک عادت مستحضرہ ہے جو ہر زمانے اور وقت میں پائی جاتی ہے اسی لئے عاقل منصف کے لئے اس کا انکار ممکن نہیں بل کہ ہم کہیں گے کہ معجزہ ہمارے نزدیک وہ ہے جس سے مدعی رسالت کی تصدیق مقصود ہو، اگرچہ خرق عادت نہ ہو۔ میں کہوں گا کہ اس میں اعتراض ہے اس لئے کہ یہ اس کے منافی ہے جو معجزہ کے شرائط میں پہلے گزر چکا ہے کہ خرق عادت اس میں شرط ہے۔ نیز اس سبب سے کہ اگر یہ نہ ہو تو معجزہ دیگر امور معتادہ کی طرح صدق پر دلالت نہیں کرے گا، پس تم سمجھو۔

ساتویں یہ کہ معجزہ کا ظاہر ہونا صدق پر دلالت نہیں کرتا ہے کیوں کہ اس کا احتمال ہے کہ وہ جادوگر ہو، اور یہ اس کا فعل ہو اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو۔ اور تمہارا اس کے حق ہونے اور امور غریبہ میں اس کی تاثیر پر اتفاق ہے۔ یا کسی طلسم کی وجہ سے ہو جس کا علم اس کو خاص طور پر ہو۔

اور جواب یہ ہے کہ تجویزات عقلیہ علم عادی کے منافی نہیں ہیں، جیسا کہ محسوسات میں ہوتا ہے، کیوں کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ جسم معین کا حصول اس کے عدم کے فرض کے مانع نہیں بل کہ اس کو اس کے حصول کے جزم کے ساتھ ساتھ ایسا جزم ہے جو کہ واقعہ کے مطابق ہے، اور اس طرح ثابت ہے کہ اس حس کا شبہ اس کی طرف راہ نہیں پاسکتا جو کہ اس کی قابل اعتماد شہادت دیتا

ہے۔

اور عادت حس کی طرح علم کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے پس جائز ہے کہ جس طرح حس کسی چیز کا یقین کرتی ہے اسی طرح عادت کی بنا پر اس کا یقین کیا جائے، باوجود اس کے کہ فی نفسہ اس کے نفیض کا امکان ہے۔ نیز اپنے موقع پر بیان ہو چکا ہے کہ وجود میں مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو معجزہ صرف اس کا فعل ہوگا مدعی کا نہیں۔ اور سحر وغیرہ اگر اعجاز کی اس حد کو نہ پہنچیں جیسا کہ معجزہ کا حال ہے مثلاً سمندر کا پھاڑنا، مردوں کا زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کر دینا، تو ظاہر ہے کہ سحر معجزہ کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ پس کوئی اشکال نہیں اور اگر حد اثباز کو پہنچے تو یا تو دعوائے نبوت اور تحدی کے بغیر ہو تو بھی ظاہر ہے کہ اس میں التباس نہ ہوگا، یا ان دونوں چیزوں کا دعویٰ بھی ہو تو اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ہاتھ پر پیدا نہ کرے، یا یہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور شخص اس کے معارضہ پر قادر نہ ہو، ورنہ کاذب کی تصدیق ہوگی۔ اور یہ کذب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر مجال ہے۔

آٹھویں یہ کہ معجزہ کے حصول کا علم اس شخص کے لئے جس نے اس کا مشاہدہ نہ کیا ہو تو اتر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور وہ علم کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس کسی کی نبوت کا علم اس شخص کو نہیں ہو سکتا جس نے اس کے معجزہ کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور تو اتر علم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اس لئے کہ اہل تو اتر میں سے ہر ایک پر کذب کا احتمال ہے، تو اس طرح پورے پر کذب کا احتمال ہے کیوں کہ سبھوں کا کذب ان میں سے ہر ایک کا کاذب ہونا ہی ہے۔

جواب یہ ہے کل کا اس حیثیت سے کہ کل ہے برابر ہونا تسلیم نہیں کہ سب پر ایک ہی حکم لگایا جائے، اس لئے کہ دس آدمیوں کی قوت ایک چیز کے ہلانے پر قادر ہے جس پر ان میں سے ہر ایک شخص (فرداً فرداً) قادر نہیں ہے۔

نواں یہ ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے شریعتوں کا تتبع کیا تو ہم نے اس کو پایا کہ یہ ان امور پر مشتمل ہیں جو کہ عقل اور حکمت کے موافق نہیں۔ پس ہمیں معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ امور یہ ہیں،

مثلاً جانور کے ذبح کا مباح کرنا اور اس کو کھانے وغیرہ کے فائدے کے لئے تکلیف دینا،

اور ایام معینہ میں بھوک پیاس کے برداشت کرنے کو واجب کرنا اور ان لذتوں سے روکنا جن میں بدن کی بہتری ہے۔ اور افعال شاقہ اور میدانوں کے طے کرنے کی تکلیف دینا۔ اور مثلاً بعض مقامات کی زیارت کرنا اور بعض مقامات میں قیام کرنا۔ بعض میں سعی کرنا، بعض کا طواف کرنا۔ باوجودیکہ وہ مقامات ایک دوسرے کے مثل ہیں اور بچوں اور مجنوں جیسی صورت اختیار کرنی کہ ننگے سر اور ننگے پیر ہونا۔ اور نشانہ بازی کرنا حال آں کہ کوئی چیز نشانہ کی نہیں۔

اور ایک پتھر کو بوسہ دینا حال آں کہ دیگر پتھروں پر اس کو کوئی فضیلت نہیں۔ اور مثلاً آزاد حسین عورتوں کی طرف دیکھنے کو حرام کرنا اور حسین لونڈی کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دینا۔ حسن و قبح کے متعلق عقل کا حکم تسلیم کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض کو لازمی تسلیم کرتے ہوئے جواب یہ ہے کہ، غایت امر یہ ہے کہ ان مذکورہ صورتوں میں حکمت سے واقفیت نہیں ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں کوئی حکمت ہے ہی نہیں۔

بہت ممکن ہے کہ کوئی ایسی مصلحت وہاں موجود ہو جس کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہو، اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقل کے ماسوا ایک اور درجہ ہے جس میں ایک ایسی آنکھ کھل جاتی ہے جس سے غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے اور ان دوسرے امور کو دیکھ لیتا ہے جن سے عقل معزول ہے۔

جس طرح کہ حس کی قوت تمیز کے مدرکات سے قاصر ہے۔ اور عنقریب میں اس کی مزید تحقیق مسلک ثانی کے ابتداء میں ان شاء اللہ تعالیٰ پیش کروں گا۔

دوسرا مسلک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں

تم جان لو کہ بعض امور کے ایسے خواص ہیں کہ عقل کی نگاہ اس کے ارد گرد نہیں پھنک سکتی، بل کہ قریب ہے کہ عقل اس کی تکذیب کرے اور اس کے محال ہونے کا فیصلہ کرے۔ پس چاہئے کہ ہم ان امور کے امکان، بل کہ ان کے وجود پر دلیل قائم کریں،

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ ایفون بقدر ایک دانگ سم قاتل ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی برودت کی زیادتی کی وجہ سے رگوں میں خون کو منجمد کر دیتی ہے اور جو شخص علم طبیعت کا دعویٰ کرتا ہے وہ گمان کرے گا کہ بارہ کرنے والا مرگب پانی اور مٹی کا مرگب ہے کیوں کہ یہ دونوں عنصر بارہ ہیں۔

اور یہ معلوم ہے کہ کئی رطل پانی اور مٹی اپنے بارد کرنے میں باطنی طور پر اس حد کی تبرید کو نہیں پہنچ سکتے، اور کسی طبعی کو اس کی خبر دی جائے جس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو تو کہے گا کہ یہ محال ہے اور اس کے محال ہونے پر دلیل یہ دے گا کہ اس میں ناریت اور ہوائیت بھی ہے اور سمجھوں گا پانی اور مٹی سے اندازہ کیا جائے تو تبرید میں اس افراط کا سبب نہ ہوگا، اور جب اس میں دو حار ملا دیئے جائیں تو بدرجہ اولیٰ اس کا سبب نہ ہوں گے، اور وہ اس کو برہان (دلیل) سمجھے گا۔

طبعیات والہیات کے متعلق فلاسفہ کی اکثر دلیلیں اسی جنس پر مبنی ہیں، کیوں کہ انہوں نے تمام امور کا تصور اس کے مطابق کیا ہے جیسا کہ انہوں نے پایا اور سمجھا ہے۔

اور جس کو انہوں نے نہیں سمجھا تو اس کا محال ہونا فرض کر لیا۔ اسی طرح جو شخص رویائے صادقہ سے مانوس نہیں ہے اور اس کے سامنے کوئی ایک شخص دعویٰ کرے کہ وہ حواس کے زائل ہونے کے وقت غیب کو معلوم کرتا ہے تو اس قسم کی عقلموں سے کام لینے والے اس کا انکار کر دیں گے اور اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی ہو جو کہ ایک دانہ کے برابر ہو اور شہر میں رکھ دی جائے تو پورے شہر کو ختم کر دے پھر خود بھی ختم ہو جائے اور نہ خود باقی رہے اور نہ شہر کی کوئی چیز باقی رہے، تو اس کا جواب یہ ملے گا کہ یہ محال ہے جو کہ مجملہ خرافات کے ہے، لیکن یہ حالت آگ کی ہے۔ اس حالت کو سن کر اس کا انکار وہی شخص کرے گا جس نے آگ کو دیکھا نہ ہو۔ اور کثرا دکام شراعی اور عجائب آخرت کا انکار اسی قبیل سے ہے۔

تو ہم طبعی سے کہیں گے کہ تم یہ کہنے پر مجبور ہو کہ ایون میں تبرد کی ایسی خاصیت ہے جو اس قیاس پر مبنی نہیں ہے جو کہ طبیعت سے سمجھا جاتا ہے۔

پھر تم اس کو کیوں نہیں جائز قرار دیتے کہ اوضاع شرعیہ میں قلب کے علاج اور اس کے تصفیہ کے ایسے خواص موجود ہیں جن کا ادراک حکمت عقلیہ سے نہیں کیا سکتا بلکہ یہ صرف نبوت کی آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں اور ان لوگوں نے تو ایسے خواص کا اعتراف کیا ہے جو ان سے بھی زیادہ تعجب خیز ہیں۔ اور ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

مجملہ ان کے ایک عجیب اور مجرب خاصیت اس شکل (نقش پندرہ) کی ہے جو حاملہ کی سختی ولادت کے وقت دو ایسے کپڑوں کے ٹکڑوں پر بنائی جاتی ہے جن کو پانی نہ لگا ہو اور ان دونوں کو اس کے دونوں پاؤں کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے اور حاملہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہے تو فوری

ولادت ہو جاتی ہے۔

اور ان لوگوں نے اس کے امکان کا اقرار بھی کر لیا ہے اور عجیب خواص کے سلسلے میں اس کو ذکر کیا ہے یہ شکل اس کی قسم کی ہے۔ (۱)

کہ اس میں نوخانے ہوتے ہیں اور ہر خانے میں ایک مخصوص ہندسہ لکھا جاتا ہے اور ان سب کا مجموعہ طول و عرض آڑے ترچھے میں پندرہ ہوتا ہے۔

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جو لوگ اس کی تصدیق کرتے ہیں ان کی عقل میں اس بات کی سچائی کیوں نہیں آتی کہ فجر کی نماز میں دو رکعتوں اور ظہر میں چار رکعتوں اور مغرب میں تین رکعتوں کا مقرر کرنا ان خواص کی بنا پر ہے جو حکمت کی نظر سے معلوم نہیں ہوتیں ان خواص کا سبب ان اوقات کا مختلف ہونا ہے جن کا ادراک نور نبوت سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اور تعجب تو اس پر ہے کہ اگر اس عبارت کو منجمین کی عبارت میں پیش کیا جائے تو وہ ان اوقات کے اختلاف کا اعتراف کر لیں اور اس کے لئے دلائل ترتیب دیں۔

پس ہم کہیں گے کہ کیا حکم طالع کے لحاظ سے مختلف نہیں ہوتے جب کہ آفتاب وسط آسمان میں ہو، یا مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو۔ تو وہ جواب دیں گے

ہاں کیوں نہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اسی پر اپنی تقویات، اختلاف مطالع اور مدتوں اور عمروں کے تفاوت کی بنیاد رکھی، حال آں کہ زوال اور آفتاب کے وسط آسمان میں ہونے اور نہ مغرب اور آفتاب کے مغرب میں ہونے میں کوئی فرق ہے۔

پس اس تصدیق کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس کو نجومی کی عبارت میں سنا ہے جس کا کذب سینکڑوں بار آزمایا ہوا ہے، اور برابر اس کو سچ سمجھے گا۔

یہاں تک کہ اگر نجومی کہے کہ جب آفتاب وسط آسمان میں ہو اور اس کی طرف فلاں ستارے متوجہ ہوں اور تو اس وقت نیا کپڑا پہنے تو تو اسی کپڑے میں قتل کیا جائے گا۔

پس وہ اس وقت میں کپڑے نہیں پہنے گا، حال آں کہ سخت سردی برداشت کر رہا ہوگا۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جن لوگوں کی عقلیں ان عجیب باتوں کو قبول کرتی ہیں، اور وہ اس

۱۔ مذکورہ بالا تینوں شکلیں اس نسخہ میں موجود نہ تھیں کنڈیاں والے نسخے نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ شکلیں ”المحقق من اہلہ“ میں بھی مذکور ہیں مگر تھوڑے فرق کے ساتھ ہیں۔ جیسا کہ عربی متن میں مذکور ہیں۔

کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ، یہ ایسے خواص ہیں جن کا علم بعض انبیاء کا معجزہ ہے تو پھر اس قسم کی باتوں کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں جو نبی صادق سے سنی ہیں۔

اور ان کی تائید معجزات کے ذریعے کی گئی ہے، اور ان کا کذب کبھی معلوم نہیں ہوا۔ اور رکعات کی تعداد میں، رمی جمار میں، ارکان حج کی تعداد اور دیگر شرعی تعبدات میں ان خواص کا امکان ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا۔ حال آں کہ ہم ان میں اور دواؤں اور نجوم کے خواص میں کوئی فرق نہیں پاتے۔

پس اگر وہ کہے کہ میں نے نجوم کا اور کچھ طب کا تجربہ کیا تو ان کا بعض حصہ صحیح پایا۔ اس لئے میرے دل میں اس کی تصدیق جاگزیں ہوگئی اور میرے دل سے اس کا مستبعد ہونا اور اس کی نفرت جاتی رہی لیکن یہ (احکام شرع) ایسے امور ہیں جن کا میں نے تجربہ نہیں کیا، تو میں اس کے وجود اور تحقیق کو کس طرح جان سکتا ہوں، اگرچہ اس کے امکان کا اقرار کر لوں۔

پس میں کہوں گا کہ تم صرف ان امور پر اکتفا نہیں کرتے جن کا تم نے تجربہ کیا ہے، بل کہ تم نے تجربہ کاروں کی خبریں سنی ہیں اور اس میں ان کی تقلید کی ہے۔ پس تم اولیاء کے اقوال سنو جنہوں نے اس کا تجربہ کیا ہے، اور شریعت کے تمام احکام میں جو کہ وارد ہوئے ہیں انہوں نے حق کا مشاہدہ کیا ہے، یا ان کا راستہ اختیار کرو تو تم بعض مشاہدوں کا ادراک کرو گے۔

مزید برآں میں کہوں گا کہ اگرچہ تم نے تجربہ نہیں کیا لیکن تمہاری عقل تصدیق و اتباع کے وجوب کا قطعاً تقاضا کرتی ہے۔ کیوں کہ اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص عاقل بالغ ہے لیکن مرض کا تجربہ نہیں کیا ہے وہ بیمار پڑ جائے، اور اس کا باپ بھی ہے جو کہ مشفق ہو اور طب میں ماہر ہو، اور جب سے اس شخص نے ہوش سنبھالا ہے اسی وقت سے باپ سے یہ دعویٰ سنتا آیا ہے کہ وہ طب کا علم رکھتا ہے۔ اس کا باپ اس کے لئے کوئی دوا تجویز کرے اور کہے کہ یہ تمہارے مرض کے لئے مفید ہے اور تمہاری بیماری کو شفا بخشنے والی ہے تو اس کو عقل جس چیز کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ کہ اس دوا کو استعمال کرے اگرچہ وہ تلخ ہو اور ذوق کو ناگوار ہو۔ اور اگر وہ اس کی تکذیب کرے اور کہے کہ اس دوا کی مناسبت میری عقل میں نہیں آتی کہ اس سے شفا حاصل ہوگی۔ اور نہ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے تو تم اس کو احق ہی سمجھو گے۔ پس اگر تم یہ کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور اس طب سے آپ کی واقفیت مجھے کس طرح معلوم ہو سکتی ہے تو میں جواب دوں گا کہ تم نے اپنے باپ کی شفقت

کس طرح معلوم کی یہ کوئی امر محسوس نہیں ہے۔ بل کہ تم کو اس کے قرآنی احوال اور مصادر و موارد میں شواہد اعمال کے ذریعے تمہیں یقینی طور پر اس کا علم حاصل ہوا ہے جس میں تم کو شبہ نہیں ہوتا اور جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں اور ان اخبار میں غور کیا جو آپ سے منقول ہیں، اور ان میں آپ نے لوگوں کے حق میں مختلف قسم کی رفق و نرمی کے ذریعے تہذیب اخلاق اور پختہ ہوؤں کی اصلاح کی طرف خلق کی رہنمائی کا اہتمام کیا ہے، تو اس کو لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ امت پر آپ کی شفقت اس شفقت سے زیادہ ہے جو باپ کو بیٹے پر ہوتی ہے۔

اور اگر ان عجیب افعال پر غور کریں جو آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے اور غیب کے عجائب پر غور کرے جن کے متعلق قرآن مجید میں آپ ﷺ کی زبان کے ذریعے خبر دی گئی، اور ان خبروں پر غور کریں جو آخری زمانے کے متعلق دی گئی ہیں اور جس طرح آپ ﷺ نے ذکر کیا اسی طرح ان کے وقوع پر غور کریں تو اسے لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ آپ ﷺ اس درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں جو عقل سے ماوراء ہے، اور اس میں وہ نظر کھل جاتی ہے جس سے غیب اور وہ خواص اور امور منکشف ہو جاتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی اور نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم کے صدق کے علم ضروری کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے پس تم تجربہ کرو اور قرآن کریم میں غور کرو۔ اور اخبار کا مطالعہ کرو تو تم کو ظاہری طور پر معلوم ہو جائے گا۔

امام غزالی نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر تم کسی شخص معین کے متعلق شک ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو تمہیں اس کا یقین صرف اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ اس کے احوال کا علم یا تو مشاہدے کے ذریعے یا تو اتر کے ذریعے یا ایک دوسرے سے سنا۔ کیوں کہ جب تم نے طب اور فقہ کو جان لیا تو تمہارے لئے ممکن ہے کہ تم فقہاء اور اطباء کو بھی ان کے احوال کا مشاہدہ کر کے اور ان کے اقوال اسن کر معلوم کر سکتے ہو اگرچہ تم نے ان کو نہ دیکھا ہو۔

چنانچہ امام شافعی کے فقیہ ہونے اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت سے تم عاجز نہیں رہو گے، اور یہ معرفت حقیقی ہوگی تقلید کی بنا پر نہ ہوگی بل کہ اگر تم کچھ طب اور فقہ پڑھو گے اور ان کی کتابوں اور تصنیفات کا مطالعہ کرو گے تو تم کو ان دونوں کی حالتوں کا علم ضروری حاصل ہوگا۔ اسی طرح جب تم نے نبوت کی معنی سمجھ لئے تو قرآن و اخبار پر بہت زیادہ غور کرو۔

اس وقت تم کو اس کا علم ضروری حاصل ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اعلیٰ

درجہ پر فائز ہیں۔ اور اس کی تائید اس کے تجربہ سے بھی ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے عبادات اور تصفیہ قلب میں ان عبادات کی تاثیر کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔

آپ ﷺ اپنے اس قول میں کس قدر صادق ہیں کہ ”جو شخص اس چیز پر عمل کرے جو اس کو معلوم ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کے علم کا وارث بنا دیتے ہیں جس کو وہ نہیں جانتا“۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کس قدر سچا ہے کہ

جس نے کسی ظالم کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ اس ظالم کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کس قدر صحیح ہے کہ

جس نے صبح کی اس حال میں کہ اس کو ایک ہی فکر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا

و آخرت کی فکروں سے کفایت کرتا ہے۔

(یہ سب احادیث شریفہ ہیں)

پس جب کہ تم اس کا ہزار دو ہزار (بل کہ) کئی ہزار بار تجربہ کرو تو تم کو علم ضروری اس طرح

حاصل ہوگا کہ اس میں کوئی شک نہ ہوگا۔

چنانچہ اس طریقے سے نبوت کا یقین طلب کرو۔ اور یہ ایمان قوی علمی ہے۔ باقی رہا ذوقی

مثلاً مشاہدہ تو یہ صوفیہ کے اس طریقہ ہی میں پایا جاتا ہے۔

اثبات النبوة کی صورتیں

علماء نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں کئی دلیلیں بیان کی

ہیں:

پہلی دلیل جو جمہور علماء کے نزدیک معتد ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا

دعویٰ کیا اور آپ کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہوا پہلی بات یعنی دعوائے نبوت، تو یہ متواتر ہے ایسا متواتر

کہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کے قائم مقام ہے۔ چنانچہ اس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ اور دوسری

بات یعنی ظہور معجزہ، تو آپ کا معجزہ قرآن وغیرہ ہے۔

قرآن اس وجہ سے معجزہ ہے کہ آپ نے اس کی تحدی کی اور کسی نے معارضہ نہیں کیا، اس

لئے معجزہ ہے۔ اور جہاں تک تحدی کا تعلق ہے تو یہ بھی متواتر ہے کہ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش

نہیں۔ اور قرآن کریم میں تحدی کی بہت سے آیات ہیں۔

((یہاں آیات قرآن کریم ہیں))

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ وہ اسی جیسی بات لے آئیں، یا مثلاً یہ قول کہ دس سورتیں اسی جیسی بنا لاؤ، یا اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ”ایک سورۃ اس جیسی لے آؤ“۔

باقی رہا یہ دعویٰ کہ کسی نے معارضہ نہیں کیا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ جب قرآن نے تحدی کی اور بڑے بڑے بلغاء و فصحاء عرب سے اس جیسی سورت لانے کو کہا تو باوجودیکہ ان لوگوں کی تعداد بطحاء کے سنگ ریزوں سے زیادہ تھی، اور اس چیز کی اشاعت کے سب سے زیادہ حریص تھے جو اس کے دعوے کو باطل کر دے اور غایت عصیت و حمیت جاہلیہ کے لحاظ سے مشہور تھے، مباہات اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خاطر ایک دوسرے کو ہلاک کر دینے میں معروف تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس جیسی ایک سورت بھی پیش کرنے سے قاصر رہے،

یہاں تک کہ حروف کے ذریعے معارضہ کے بدلے انہوں نے تیغ آزمائی کو ترجیح دی۔

پس اگر وہ معارضہ پر قادر ہوتے تو یقیناً معارضہ کرتے۔ اور اگر معارضہ کرتے تو ہم تک تو اتر سے پہنچتا۔ کیوں کہ اس کے نقل کرنے کے دواعی بہت زیادہ تھے۔ (اور اسی طرح تو اتر کے ساتھ پہنچتا جس طرح خطیب کا منبر پر قتل کیا جانا۔ اور ان تمام چیزوں کا علم دیگر عادیات کی طرح قطعی ہے باقی رہی یہ بات کہ جس چیز کی تحدی کی جائے اور اس کا معارضہ نہ کیا جائے تو وہ معجزہ ہے۔

اس کی دلیل معجزہ کی حقیقت اور اس کے شرائط کے بیان میں گزر چکی ہے، اور اس پر چند اعتراضات ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ تحدی ان لوگوں کو نہ پہنچی ہو جو معارضہ پر قادر ہوں، یا شاید معارضہ کو مدعی کی ہم نوائی کرتے ہوئے اس لئے ترک کر دیا ہو کہ اس کی دولت سے وافر حصہ حاصل کریں۔ دوسرے یہ کہ شاید ان لوگوں نے پہلے اس کو معمولی چیز سمجھا ہوا اور گمان کیا ہو کہ آپ ﷺ کی دعوت پوری ہونے والی نہیں، اور آخر میں آپ ﷺ کی شدت شوکت اور متبعین کی کثرت کی وجہ سے آپ سے خائف ہو گئے ہوں، یا معاشی ضروریات کی تحصیل نے معارضہ سے روک دیا ہو۔ تیسرے یہ کہ ممکن ہے کہ معارضہ کیا گیا ہو لیکن کسی مانع کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوا، یا ظاہر ہوا لیکن آپ ﷺ کے اصحاب اور متبعین نے اپنے غلبہ کے وقت اس کو چھپا دیا ہو،

اور اس کے آثار منادئیے ہوں یہاں تک کہ بالکل محو ہو گیا ہو۔

اس کا اجمالی جواب تو وہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ تجویزات عقلیہ علم عادی کے منافی نہیں ہیں، جیسا کہ محسوسات میں ہوتا ہے اور پہلے اعراض یعنی یہ کہ شاید تحدی ان لوگوں کو نہ پہنچی ہو جو معارضہ پر قادر ہوں تو اس کا تفصیلی جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ مدعی نبوت اگر کوئی ایسی چیز لے آئے جو اس کے دعوے کی تصدیق کرے اور وہ اس کی تحدی بھی کرے اور لوگ اس کے معارضہ سے عاجز ہوں تو علم ضروری عادی حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اور اس میں قدح کرنا کھلم کھلا سفسطہ ہے۔

اور دوسرا اعتراض یہ کہ شاید پہلے ان لوگوں نے اس چیز کو معمولی سمجھا ہو، پھر آخر میں خائف ہو گئے ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت عادیہ اور وجدانیہ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس شخص کے معارضہ کی طرف سبقت کریں جو کسی ایسے امر اہم میں منفرد ہونے کا مدعی ہو جس سے اپنے معاصرین پر اسے برتری حاصل ہو۔ اور وہ لوگوں سے پیروی کرنے کو کہے اور لوگوں کی جان و مال کے متعلق حکم جاری کرے۔ اور یہ بھی بالبداہت معلوم ہے کہ اس قسم کے امور میں کوئی شخص اس طرح اعتراض نہیں کر سکتا کہ معارضہ پیش کرنے کی طرف بالکل متوجہ ہی نہ ہو، اور اس صورت میں اس کی دلالت صرف قدرت کی بناء پر ظاہر ہے،

کیوں کہ نفوس جب کہ اس پر فطری طور پر پیدا کئے گئے ہوں پھر ان کا اس سے روک دینا ایک ایسا امر ہے جو کہ خارق عادت ہے۔ اور یہ مدعی کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ چیز جو اس نے پیش کی ہے وہ دوسروں کی قدرت میں ہو۔ اور تیسرا اعتراض یعنی یہ کہ شاید اس کا معارضہ کیا گیا ہو، لیکن کسی مانع کی وجہ سے ظاہر نہ ہوا ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ عادت کی بنا پر معلوم ہے کہ قدرت تسلیم کرتے ہوئے معارضہ ضروری ہے۔ اسی طرح عادت کی بنا پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اظہار ضروری ہے کیوں کہ اسی سے مقصود پورا ہوتا ہے، اور بعض اوقات اور اماکن میں مانع کا احتمال تمام اوقات اور اماکن میں اس کے احتمال کو ضروری قرار نہیں دیتا ہے بل کہ ضرورت عادیہ کی بنا پر اس کا انتفاء معلوم ہے۔ پس اگر معارضہ کیا گیا ہو تو عادت اس کا مخفی رکھنا محال ہے کہ نہ مدعی کے اصحاب کی طرف سے ان کے غالب آنے کے وقت اخفاء ہو سکتا ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اخفاء کر سکتا ہے۔ پس تمام احتمالات

باطل ہو گئے اور دلالتِ قطعیہ ثابت ہو گئی۔

اعجاز قرآن کی صورتیں

اور تم جان لو کہ متکلمین نے اعجاز قرآن کی وجہ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ وہ نظمِ غریب اور اسلوبِ عجیب پر مشتمل ہے جو کہ عرب کے نظم و نثر کے مخالف ہے۔ جو کہ سورتوں اور قصص کی ابتداء میں اور ان کے آخر میں ہیں اور آیات کے وہ فواصل جو عرب کے کلام میں بمنزلہٴ سجع کے ہیں کہ یہ چیزیں قرآن میں اس طور پر واقع ہوئی ہیں کہ ان کے کلام میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

اور وہ اس سے عاجز تھے، بعض معتزلہ کا یہی خیال ہے اور اہل عربیہ اور جاہلِ معتزلی کہتے ہیں کہ قرآن کا بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہونا ان تراکیب کی بنا پر ہے جن کی مثال ان کی تراکیب میں نہیں ملتی۔

اور ان کی بلاغت کے درجات اس سے قاصر ہیں۔

چنانچہ جو شخص عربیت اور فنونِ بلاغت سے واقف ہو گا وہ اعجاز قرآن کو جان لے گا۔ اور قاضی باقلانی کہتے ہیں کہ وجہ اعجاز دونوں امور ہیں یعنی نظمِ غریب اور بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر اس کا فائز ہونا۔

اور بعض کے نزدیک غیب کے متعلق خبر دینا وجہ اعجاز ہے جیسے

وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلْبِهِمْ سِيَغْلِبُونَ فِی بَضْعِ سِنِينَ -

اور وہ ان لوگوں کے غلبہ کے بعد چند سالوں میں غالب آ جائیں گے۔

اس میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ رومی ایرانیوں پر تین سوسے لے کر نو سال تک کی مدت میں غالب آ جائیں گے، اور ایسا ہی واقع بھی ہو جس طرح کہ خبر دی گئی تھی۔

بعض کے نزدیک اعجاز کی وجہ اس میں اختلاف اور تقاض کا نہ ہونا ہے باوجودیکہ اس میں طول و امتداد ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ (۱) ”اگر یہ غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے۔ بعض کے نزدیک اس کا اعجاز صرفہ کی بناء پر ہے

۱- وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

یعنی عرب بعثت سے پہلے قرآن کے مثل کلام پیش کرنے پر قادر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے معارضہ سے روک دیا۔

اس روکنے کی کیفیت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ استاذ (ابوالحسن) جو ہم (اہل سنت و الجماعت) میں سے ہیں اور نظام معتزلی کہتے ہیں کہ ان کو ان کی قدرت کے باوجود اس سے روک دیا۔

اور یہ اس طور پر کہ ان کے دواعی کو معارضہ سے پھیر دیا، باوجودیکہ وہ فطری طور پر اس پر پیدا کئے گئے تھے، خصوصاً اس حال میں کہ ان کے حق میں اسبابِ داعیہ بہت زیادہ تھے مثلاً یہ بتایا جانا کہ تم اس سے عاجز ہو، سرداری سے نیچے اتارا جانا اور تابعداری کی تکلیف میں مبتلا کیا جانا۔ اور مرتضیٰ نے جو شیعہ میں سے ہے کہا کہ بل کہ ان سے وہ علوم سلب کر لئے جن کی ضرورت معارضہ میں ہوتی ہے۔

قرآن کے اعجاز میں قدح کرنے والوں کے کچھ شبہات اور اعتراضات

اول یہ کہ وجہ اعجاز کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شخص کے لئے ظاہر ہو جو اس سے استدلال کرتا ہے اور اس میں تمہارا اختلاف اس کے مخفی ہونے کی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف اور خفا اگرچہ کسی ایک وجہ میں ہو لیکن اس میں اختلاف اور خفا نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا مجموعہ جس بلاغت اور نظمِ غریب اور غیب کی خبروں پر اور علم و عمل کے لحاظ سے حکمتِ بالغہ پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ جو وجہ اعجاز بیان کئے گئے ہیں ان سب کے لحاظ سے معجز ہے۔ اور اختلاف اگر کسی وجہ میں ہوا ہے تو وہ نظروں کے اختلاف کا نتیجہ ہے، یا ان صاحبانِ نظر کے مبلغِ علم کے باعث ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اگر وہ جوہِ مذکورہ میں سے کسی ایک خاص وجہ کے اعتبار سے معجز نہ ہو تو یہ لازم آئے کہ ان کے مجموعے کی وجہ سے بھی معجز نہ ہو۔ اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک خاص وجہ کی بناء پر معجز نہ ہو اور بہت سے مبلغ ایسے ہیں جو نظم یا نثر پر قادر ہیں اور دوسرے پر قادر نہیں ہیں، اور ان میں سے ایک پر قادر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب پر قادر ہو، اور نہ یہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جو ہر ایک کے لئے ثابت ہو وہ کل کے لئے بھی اسی حیثیت سے ثابت ہو کہ وہ کل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جواب اس بات کو مقتضی ہے کہ صرف مجموعہ قرآن معجز

ہو، اس کی کسی چھوٹی سورت کی مقدار معجز نہ ہو۔ یہ خلاف واقع ہے۔ اس لئے کہ ایک چھوٹی سے سورت کی مقدار بھی معجز ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس اگر تم کہو کہ جواب دینے والے کی مراد یہ ہے کہ مجموعہ قرآن ان وجوہ اعجاز کے مجموعے کی وجہ سے معجز ہے جو کہ بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس کی ہر سورت ان وجوہ میں سے کسی ایک غیر متعین وجہ کی بنا پر معجز ہے، تو میں کہوں گا کہ اس صورت میں وہ دفع نہیں ہو سکتا جو کہ معترض نے کہا ہے کہ وجہ اعجاز کے لئے ضروری ہے کہ بتین اور ظاہر ہو۔ اور اس تقدیر پر اعجاز کی وجہ ظاہر نہیں رہتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ خدا کی پناہ کہ اس کے بتین اور متعین ہونے کو ممنوع قرار دیا جائے اور یہ نظر انصاف غور کرنے والے پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اس کا ممنوع قرار دینا صریح مکابراہ ہے۔ پس سمجھو۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صحابہؓ نے قرآن کریم کے بعض حصے میں اختلاف کیا یہاں تک کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاتحہ اور معوذتین قرآن میں سے نہیں ہیں، باوجودیکہ یہ مشہور سورتوں میں سے ہیں، اگر اس کی بلاغت حد اعجاز تک پہنچی ہوئی ہوتی تو یہ غیر قرآن سے ممتاز ہوتا اور وہ اختلاف نہ کرتے۔ تو جواب یہ ہے کہ صحابہ کا اختلاف قرآن کی ان بعض سورتوں میں ہے جو بذریعہ آحاد مروی ہے اور آحاد ظن کا فائدہ دیتے ہیں۔ لیکن مجموعہ قرآن تو اتر کے ذریعہ منقول ہے جو کہ یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ پس یہ آحاد بالکل ناقابل التفات ہیں۔ مزید برآں ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم پر اس کے نازل ہونے کے متعلق اختلاف نہیں کیا۔ اور نہ اس کے حد اعجاز تک پہنچے ہوئے ہونے میں ان کا اختلاف ہے، بل کہ محض اس کے قرآن میں سے ہونے کے متعلق اختلاف ہے اور یہ چیز ہمارے مقصد میں مضر نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جمع قرآن کے وقت جب کوئی ایسا شخص جو عدالت میں ان کے نزدیک مشہور نہ تھا کوئی آیت لے کر آتا تو اس کو بغیر ایک گواہ یا قسم کے مصحف میں داخل نہ کرتے۔ اگر اس کی بلاغت حد اعجاز تک پہنچی ہوئی ہوتی تو اس کو اس کی وجہ سے جان لیتے اور مصحف میں داخل کرنے کے لئے عدالت اور گواہ یا قسم کی ضرورت نہ ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ ان کا اختلاف قرآن میں آیت کے مقام اور آیت کی تقدیم و تاخیر کے متعلق ہے۔ ان کے قرآن میں سے ہونے کے متعلق اختلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قراءت میں مداومت کرتے

تھے۔ پس جس کو ایک شخص لے کر آیا تو اس کا قرآن میں سے ہونا یقینی تھا اور گواہ یا قسم کا مطالبہ محض ترتیب کی خاطر تھا۔

پس کوئی اشکال نہیں۔ نیز ایک یادو آیتوں کا معجز نہ ہونا ہمارے لئے مضرب نہیں۔ کیوں کہ معجز لازمی ہے کہ ایک سب سے چھوٹی سورت کے مقدار ہو اور سورت کم سے کم تین آیات کی ہوتی ہے۔

اور چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ہر صنعت کی ایک معین حد ہے کہ اس حد پر ٹھہر جاتی ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی، اور ہر زمانے میں کسی ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو تمام ابنائے زمانہ پر فائق ہو تو شاید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معصروں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہوں، اور انہوں نے ایسا کلام پیش کیا جس سے آپ ﷺ کے معاصر عاجز رہے۔ اگر یہ معجزہ ہے تو ہر وہ شخص جو کوئی ایسی چیز پیش کرے جس کے ذریعے معاصرین پر صنعت میں فائق ہو جائے تو یہ معجز ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ باطل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ ہر زمانے میں اسی جنس سے ظاہر ہوتا ہے جو اس زمانے کے لوگوں پر غائب رہتا ہے۔ اور وہ لوگ اس زمانے میں انتہائی بلند درجے تک پہنچ کر اس معنادار حد پر رک جاتے ہیں جہاں تک کسی بشر کے لئے پہنچنا ممکن ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو کہ اس صنعت کی حد سے خارج ہے تو وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے۔

اور اگر یہ حال نہ ہوتا تو قوم کے نزدیک نبی کا معجزہ متحقق نہ ہوتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کار و اج تھا اور جادو گروں کو معلوم تھا کہ سحر کی حد تک اور اس چیز کا وہم پیدا کرنا ہے جس کا حقیقت میں کوئی ثبوت نہیں۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ عصا سانپ ہو گیا اور ان کے سحر کو جو وہ تراشتے تھے نکلنے لگا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سحر سے باہر ہے اور انسانی طاقت سے خارج ہے، چنانچہ وہ لوگ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے، لیکن فرعون نے اس ہنر میں عاجز ہونے کے باعث یہ گمان کیا کہ ان کا بڑا ان کو تعلیم دیتا ہے۔

یہی حال طب کا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں میں اس کا رواج غالب تھا اور وہ لوگ اس میں انتہا کو پہنچ گئے تھے،

تو جو لوگ اس باب میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے، ان لوگوں نے جان لیا کہ مردوں کا زندہ کرنا، مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کر دینا فن طب کی حد سے خارج ہے بل کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اور بلاغت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلند درجے پر پہنچی ہوئی تھی اور اس کے باعث وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے سات قسیدے کعبہ کے دروازے پر انکار کھے تھے تاکہ اس کے معارضہ کے لئے تہدی کریں اور سیر کی کتابیں اس کی شہادت دیتی ہیں۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز لیکر آئے جس کے مثل پیش کرنے سے تمام بلغاء عاجز رہ گئے، باوجودیکہ کثرت سے جھگڑا اور اختلاف انہوں نے کیا، اور آپ کی نبوت کا انکار کیا، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کفر پر مرے اور بعض آپ کی نبوت کے واضح ہونے کے باعث مسلمان ہو گئے،

اور بعض اسلام سے نفرت کے باوجود ذلت اور پستی کو اپنے لئے لازم کرتے ہوئے مسلمان ہوئے جیسے کہ منافقین۔ اور بعض وہ تھے جو ایسے رکیک معارضے میں مشغول ہوئے کہ صاحبان عقل کو اس پر ہنسی آتی ہے۔ مثلاً اس کلام کے ذریعے معارضہ کیا:

والزارعات زرعاً فالحاصدات حصداً والطاحنات طحناً

الطابخات طبخاً فالآكلات اكلاً

اور ان میں بعض وہ تھے جنہوں نے چنگ و خونریزی کو اختیار کیا اور جان و مال اور اہل و عیال کو ہلاکت اور تباہی کے لئے پیش کیا۔

پس معلوم ہوا کہ یہ یقیناً اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے۔

اور پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اس میں لفظ اور معنی کے لحاظ سے اختلاف ہے، حال آں کہ اس سے اختلاف کی نفی اس طرح کی گئی ہے کہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے آیت ۸۲ لفظی اختلاف کی مثال جیسے، كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ الْقَارِعِ ۱۰ آیت ۵ کے بجائے كَالصُّوفِ الْمَنْفُوشِ۔ فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ جَمْعَ ۶۲ آیت ۹ کے بجائے

فَمُضُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ — فَهِيَ الْحِجَارَةُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ آيَةٌ ۴۲ كَے بدلے فَكَانَتْ كَالْحِجَارَةِ اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الدَّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ — بقرہ آیت ۱۱ کے بدلے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ وَالِدَّةُ ہے۔ اور معنوی اختلاف کی مثال: رَبَّنَا بِأَعْدَابِنَا أَسْفَارِنَا سبأ ۳۴ آیت ۱۹ امر کے صیغے کے ساتھ اور رب کے ندا کے ساتھ ہے، اور رَبَّنَا بَعْدَ صَيْغِهِ ماضی اور رب کے رفع کے ساتھ پہلی صورت میں دعا اور دوسری صرت میں خبر ہے۔ دوسری مثال هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ مائده آیت ۱۱۲ صیغہ غائب اور با کے ضمہ کے ساتھ ہے اور هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبُّكَ خطاب کے ساتھ ہے۔ پہلی صورت میں رب کے متعلق خبر دریافت کرنا ہے۔

اور دوسری صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت دریافت کرنا ہے۔

جواب یہ ہے کہ جو بذریعہ احد منقول ہے تو وہ مردود ہے اور جو بذریعہ تواتر منقول ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ضمن میں داخل ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کافی شافی ہے۔ پس لفظی و معنوی اختلاف اس کے اعجاز میں مخل نہیں۔

چھٹا اعتراض یہ ہے کہ اس میں لحن اور بے فائدہ تکرار ہے۔ لحن کی مثال ان هٰذَا لَسَاحِرَانِ ہے اور لفظی تکرار کی مثال وہ جو سورہ رحمن میں ہے اور معنوی تکرار کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔

الف: پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان هٰذَا لَسَاحِرَانِ طہ آیت ۶۲ کے متعلق کہا گیا ہے کہ کاتبوں کی غلطی ہے، کیوں کہ ابو عمرو نے ان هٰذَیْنِ پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ تثنیہ کی حالت میں اور اسمائے ستہ میں الف کا باقی رکھنا قبائل عرب کی ایک لغت ہے مثلاً یہ قول: ص ۳۹

إِنَّ أَبَاهَا وَأَبَا أَبَاهَا

لَقَدْ بَلَّغَ فِي الْمَجْدِ غَايَتَهَا

اور اہل مدینہ اور اہل عراق نے ان مقامات میں اسی لغت پر پڑھا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صرف هٰذَا کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس میں نون زیادہ کیا گیا ہے اور الف کو اپنی حالت پر باقی رکھتے ہوئے اس میں تبدیلی نہیں کی جیسا کہ الَّذِينَ میں کیا گیا ہے کہ اس میں الَّذِي پر صرف نون کا

اضافہ کیا گیا اور یا کو تینوں حالتوں میں اپنی حالت پر باقی رکھا گیا، اور یہ اس لئے کہ لفظ ھَذَا میں معرب اور بنی کے تشبیہ کے درمیان اور لفظ اَلَّذِي میں معرب اور بنی کے درمیان اختلاف کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں ضمیر شان مقدر ہے، اور اس صورت میں لام حیز مبتدا میں ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ قلیل ہو۔

ب: اور دوسرے اعتراض (یعنی تکرار لفظی و معنوی) کا جواب یہ ہے کہ تکرار کے فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے تحقیق معنی میں مبالغہ اور تقریر کی زیادتی ہوتی ہے دوسرے اس سے اس کا ظہور ہوتا ہے کہ ایک ہی معنی کو ایسی عبارتوں کے ذریعے ادا کرنے پر قدرت حاصل ہے جو ایجاز و اطناب میں مختلف ہیں اور یہ بلاغت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

تیسرے یہ کہ ایک قصہ کبھی بہت سے امور پر مشتمل ہوتا ہے تو کبھی قصہ کے بیان کرنے کا مقصد صرف بعض امور کا بیان کرنا ہوتا ہے اور بعض امور اس کے ضمن میں جمعاً آجاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اور باقی دیگر معجزات مثلاً شق قمر، جمادات کا کلام کرنا۔

اور حرکت کر کے آپ کی طرف آنا، اور حیوانات کا کلام کرنا، تھوڑی خوراک سے بہت سے لوگوں کو آسودہ کر دینا، اور انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑنا،

اور غیب کی خبر دینا، اور اس قسم کے افعال بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ تو یہ معجزات اگرچہ ان میں سے ہر ایک متواتر نہیں ہے لیکن ان کے درمیان قدر مشترک یعنی معجزہ کا ثبوت بلاشبہ متواتر ہے۔

جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت (کہ یہ تو اتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے) اور یہ اثبات نبوت میں ہمارے لئے کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کی دلیلوں میں سے دوسری دلیل جس کو "نزلہ" میں سے جا حظ نے اور ہم میں سے امام غزالی نے پسند کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کردہ کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے حالات اور دعوت کی حالت میں اور دعوت پوری ہونے کے بعد آپ ﷺ کے حالات اور آپ ﷺ کے عظیم اخلاق اور حکیمانہ احکام اور ایسی جگہ

پیش قدمی جہاں بڑے بڑے بہادر پہنچاتے ہوں،

ان امور سے نبوت کے ثبوت پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہمات دین میں اور نہ مہمات دنیا میں کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ اگر ایک بار بھی جھوٹ بولتے تو آپ ﷺ کے دشمن اس کے مشہور کرنے میں پوری کوشش کرتے۔ اور نہ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے اور نہ نبوت کے بعد ہی کسی بڑے فعل پر اقدام کیا۔ اور آپ ﷺ نے انتہائی فصیح تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جو ام الکلمہ دیا گیا ہوں۔ باوجودیکہ آپ امی تھے اور آپ ﷺ نے رسالت کے پہنچانے میں طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی نبی کو اس قدر تکلیف نہیں دی گئی جس قدر مجھے دی گئی۔

اور اس پر عزیمت میں کوتاہی کے بغیر آپ ﷺ نے صبر کیا۔ اور جب آپ ﷺ دشمنوں پر غالب آگئے اور لوگوں کی جانوں اور مالوں میں اپنا حکم نافذ کرنے کے لحاظ سے بلند مرتبہ پر پہنچ گئے تو اپنی پہلی حالت نہیں بدلی بل کہ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک ایک ہی پسندیدہ طریقہ پر قائم رہے۔ اور اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول فَلَإِنْ نَسْتَهَبْ نَفْسَكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ فاطر ۳۵ آیت ۸ اور فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ كَهْفٍ ۱۸ آیت ۶ کے ذریعے خطاب کئے گئے۔ اور بہت ہی زیادہ سخی تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسُطِ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۱۷ آیت ۲۹ کے ذریعے تنبیہ کئے گئے۔ اور دنیوی سامان کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ چنانچہ قریش نے آپ ﷺ کو مال بیوی اور سرداری پیش کی تاکہ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں لیکن آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقراء و مساکین کے ساتھ غایت درجہ تواضع کے ساتھ اور مال داروں اور ذی ثروت لوگوں کے ساتھ غایت درجہ ترفع کے ساتھ پیش آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے دشمنوں سے نہ بھاگے اگرچہ بہت زیادہ خوف کا مقام ہوتا۔ مثلاً اُحُد اور احزاب کے دن۔ اور یہ آپ ﷺ کے دل کے قوی ہونے اور باطن کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت پر اعتماد نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول وَاللَّهُ يَعْصَمُكَ مِنَ النَّاسِ کے ذریعے اس کا وعدہ کیا تھا تو عاۃً یہ ممتنع ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال نہیں بدلا اگرچہ مختلف حالات پیش آئے۔

غرض کہ جو شخص ان امور کا اور ان جیسے دیگر امور کا تتبع کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ ان میں

سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ اگرچہ نبوت پر دلالت نہیں کرتے کیوں کہ کسی شخص کا دیگر اشخاص سے مزید فضل میں ممتاز ہونا اس کے نبی ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن ان کا مجموعہ یقیناً صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ان امور کا جمع ہونا آپ کے نبی ہونے کے عظیم دلائل میں سے ہے۔

ان دلیلوں میں سے تیسری دلیل جس کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے درمیان دعویٰ کیا جن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، اور نہ ان میں حکمت تھی بل کہ وہ حق سے اعراض کرنے والے تھے، اور یا تو بتوں کی عبادت پر مثلاً مشرکین عرب، یا دین تشبیہ اور صنعت تزویر، اور بے سرو پا جھوٹی باتوں کے رائج کرنے پر مثلاً یہود، یا دو خداؤں کی عبادت اور محرم کے نکاح پر مثلاً مجوس، یا باپ بیٹے اور تثلیث کے قائل ہونے پر مائل تھے جیسے نصاریٰ۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں میں دعویٰ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن کتاب اور حکمت باہرہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو پورا کروں، اور لوگوں کو عقائدِ حقہ کے ذریعہ ان کی قوتِ علمیہ میں، اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ ان کو قوتِ عملیہ میں کامل کروں، اور عالم کو ایمان اور عملِ صالح کے ذریعہ منور کروں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا اور اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ کھولے دین کمزور پڑ گئے اور قاصد کلام زائل ہو گئے، اور توحید کے آفتاب اور تنزیہ کے چاند اطرافِ عالم میں چمک اٹھے، اور نبوت کے یہی معنی ہیں، کیوں کہ نبی وہی ہے جو نفوسِ بشریہ کی تکمیل کرتا ہے۔ اور دل کے ان امراض کا علاج کرتا ہے جو اکثر نفوس پر غالب ہوتے ہیں اس لئے کسی طبیب کا ہونا ضروری ہے جو ان کا علاج کرے۔ اور جب مریض دلوں کے علاج میں اور ان کی تاریکیوں کے دور کرنے میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعوت کی تاثیر کامل اور پوری تھی تو آپ ﷺ کے نبی ہونے کا یقین ضروری ہو گیا کہ آپ ﷺ افضل الانبیاء والرسول ہیں۔

امام (رازیؒ) نے مطالب عالیہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ برہان ظاہر ہے کہ برہانِ لم میں سے ہے، کیوں کہ ہم نے نبوت کی حقیقت کے متعلق بحث کی ہے، اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ ماہیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی جیسا کہ آپ ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوئی پس آپ ﷺ اپنے

ما سوائے افضل ہیں۔

باقی رہا نبوت کا معجزہ کے ذریعے ثابت کرنا تو یہ برہان ان ہے، اور یہ دلیل نبوت کے ثابت کرنے میں حکماء کے طریقے کے قریب ہے، اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ اپنے معاش و معاد میں ایک ایسے شخص کے محتاج ہیں جس کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ہو۔ اور وہ ان لوگوں کے لئے ایسا قانون وضع کرے جو دونوں جہان میں ان کی سعادت کا ذریعہ ہو۔ یہ دوسرا مقالہ فلاسفہ کی مذمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعے سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے اس کے بیان میں ہے۔

مشت



نصاحت و بلاغت اور خطابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ایک جامع مطالعہ

خطابت نبوی ﷺ

سید عزیز الرحمن

تعارف

تقدیم

ڈاکٹر سید سلمان ندوی

مولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ

قیمت: ۲۱۰ روپے

صفحات: ۲۷۲

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

قرآن کریم کے مضامین کا سورت وار خلاصہ

مطالب القرآن

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

۱-۳/۱۷، ناظم آباد نمبر ۳- کراچی - 74600

فون: 021-36684790

ماہنامہ تعمیر افکار کراچی

کی ایک اہم پیش کش

اشاعت خاص بہ یاد حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ

عنوانات

حیات	خدمات	شاعری
خلفا	خراج عقیدت	افکار و معارف
نوادرات	مکتوبات	

اہم لکھنے والے

☆ مولانا ابوالکلیل خواجہ خان محمد ☆ حاجی محمد اعلیٰ ☆ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ☆ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی ☆ حافظ رشید احمد ارشد ☆ ڈاکٹر مفتی محمد مظہر بٹا ☆ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی ☆ ڈاکٹر محمود احمد غازی ☆ مولانا مفتی ولی حسن ٹوکی ☆ مفتی غلام قادر ☆ پروفیسر سید محمد سلیم ☆ مولانا سید محبوب حسن واسطی ☆ مولانا محمد سعید الرحمن علوی ☆ پروفیسر عبدالجبار شاکر ☆ مولانا محمد اسماعیل آزاد ☆ مولانا اعجاز احمد اعظمی ☆ پروفیسر محمد اقبال جاوید ☆ صوفی محمد احمد ☆ ڈاکٹر نثار احمد ☆ سید منور حسن ☆ ڈاکٹر وقار اشرفی ☆ مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی ☆ مولانا محمد یوسف لدھیانوی ☆ حافظ سید فضل الرحمن

قیمت: ۴۱۰ روپے

صفحات: ۷۵۲

زوَار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔ ۷۳۔ ۱، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ فون: 021-36684790

E-mail: info@rahet.org

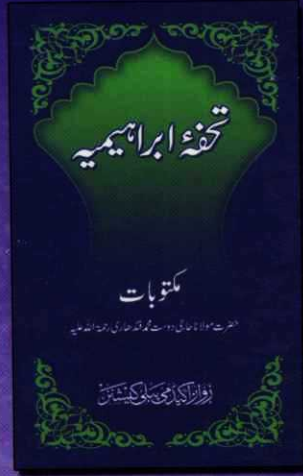
www.rahet.org

www.maktabah.org

تحفہ ابراہیمیہ

مکتوبات

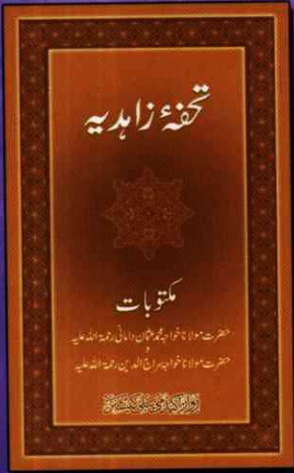
حضرت مولانا حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ



تحفہ زاہدیہ

مکتوبات

حضرت مولانا خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ



زوار الیٹیمک
پبلیکیشنز

۱۷-۱۷/۳، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ فون: ۷۳۶۰۰۷۹۰، ۳۶۶۸۳۷۹۰
www.rahet.org info@rahet.org



Maktabah Mujaddidiyah

www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.